قال اللہ تعالیٰ وقرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا

چوں آیت موصوف دال ست بر نفعیت تعلیم تدریجی برا عامۂ ناس حاضر باشد یا بادی ❊ و نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ کہ مشتمل ست بر مقاصد و مبادی ❊ پس اتباعاً للنص المزبور بہ صحیفہ شہریہ کہ متدرج ست بتدریج شہور

مسمّی بہ

الہادی

نمبر ۱۲	بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ	جلد ۳

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب جادی و مذکرست در ہر مجلس و نادی و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی ❊ بصورت ترجمہ رسالہ ترغیب و ترہیب و تسہیل المواعظ و حل اشتباہات و کلید مثنوی و تشرف و امیر الروایات کہ اکثر آں مستفاد ست از درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی ❊ باہتمام محمد عثمان خاں عامی ❊ در شہر دہلی اسلامی در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتب خانہ اشرفیہ در دریبہ کلاں دہلی بر دفتر رسید میگردد

ہذا التفسیر العام ماخوذ من الحدیث اقتض بیننا کتاب اللہ وقضی بالرجم ۱۲

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ

جو بہ برکت دعاء حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی

کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلان دھلی سے شائع ہوتا ہے

اصول و مقاصد رسالہ الہادی اور ضروری اطلاعیں

(۱) رسالہ ہذا کا مقصود امت محمدیہ کے عقائد و اخلاق و معاشرت کی اصلاح ہے۔

(۲) یہ رسالہ ہر قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو بحمد اللہ عین تاریخ پر ہی شائع ہوتا ہے۔

(۳) رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۵ھ سے یہ رسالہ معہ ٹائٹل تین جز کا کر دیا گیا ہے۔ اور قیمت سالانہ وہی دو روپے آٹھ آنے۔ (عہ۲)

(۴) سوائے ان صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے ہیں جملہ حضرات خریداران کی خدمت میں رسالہ وی پی بھیجا جائیگا اور دو آنہ خرچ رجسٹری اضافہ کرکے دو روپے دس آنہ کا وی پی روانہ ہوگا جسپر ۲ر فیس منی آرڈر ڈاکخانہ اضافہ کریگا اور دو روپے بارہ آنہ کا وی۔ پی پہنچیگا

(۵) جن حضرات کی خدمت میں نمونے کے طور پر رسالہ ارسال کیا جاتا ہے وہ جبتک پیشگی قیمت نہ بھیجیں گے یا وی۔ پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں خریدار ہونگے انکی خدمت میں کل پرچے شروع جلد یعنی جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ سے بھیجے جائینگے اور ابتدا سال سے خریدار سمجھے جائینگے اور اگر الہادی کی جلد اول و دوم درکار ہو تو طلب فرماویں مگر انکی قیمت فی جلد تین روپے ہے۔ علاوہ محصولڈاک +

الراقم

محمد عثمان مالک و مدیر رسالہ الہادی دھلی

۷۸۶

احقر مدیر کی قربانی اور ناظرین الہادی کی قدردانی

حضرات:۔ یہ تو آپ پر بخوبی ظاہر ہو کہ رسالہ الہادی میں سیدی و مرشدی حکیم الامۃ محی السنۃ مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی مدظلہم العالی کے وہ بیش بہا مضامین شائع ہوتے ہیں جنکو اسلام کی روح اور خداشناسی کی جان کہا جائے تو بجا ہے یہی وہ مضامین ہیں جنسے ایک کلمہ گو کامل و مکمل مسلمان بن سکتا ہے ان ہی کے مطالعہ سے توحید و سنت پر استقامت اور نور ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ خاص باتیں ہیں جو ہمیشہ اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی رہی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان روح پرور و نور افزا مضامین کی جسقدر اشاعت ہونی چاہیئے تھی وہ آجتک نہیں ہوئی اور اسکی وجہ یہی ہے کہ اس پرفتن زمانہ میں ظاہری شور و فریاد کرنیوالے رہنماؤں اور گندم نما جوفروش صوفیوں کا بازار گرم ہو رہا ہے صورت پرستی نے معانی و حقائق کو زندہ درگور کر دیا ہے شاندار الفاظ اور چٹپٹے دار تقریروں پر ہر شخص وجد کرنے اور تحسین و آفرین کی آواز بلند کرنے کو تیار ہے اور اسیکو اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک معمولی سے معمولی رسالہ بھی جسکو الہادی جیسے مضامین کی ہوا بھی نہیں لگی محض الفاظ کی نمائش اور مبالغہ آمیز تحریروں کی بدولت آج اپنی کثیر اشاعت پر فخر کر رہا ہے مگر الہادی ہے کہ باوجود اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے پانسو خریدار بنانے میں بھی کامیاب نہیں ہوا۔

حضرات آپ یقین کیجیے کہ احقر مدیر سے جسقدر قربانی اسکی اشاعت میں ہو سکی وہ میری ہمت اور حیثیت سے کہیں زیادہ ہے مگر قدردانی کا یہ حال ہے کہ ترقی تو درکنار اختتام سال پر الہادی موت و حیات کا سوال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ بہت سے حضرات بجائے دوسرے خریدار پیدا کرنیکے خود بھی وی پی واپس کر کے احقر کی مالی مشکلات میں اور اضافہ کر دیتے ہیں اسلئے احقر کی مودبانہ گذارش ہے کہ جن حضرات سے ہمارے سال الہادی کا تعلق رہا ہے وہ اسکو قائم رکھنے کیلئے دو روپیہ آٹھ آنہ کی کچھ حقیقت نہ سمجھیں۔
اسلئے آپکی سخن فہمی اور قدردانی سے قوی امید ہے کہ سال آئندہ کا وی۔ پی وصول فرما کر احقر کو مالی مشکلات سے نجات دلانے اور الہادی کے قیام و بقا میں امداد فرمانے میں عالی ہمتی و بلند حوصلگی سے کام لینگے

ایک ایسے آدمی کا ذکر ہوا جو ساری رات صبح تک سویا کرتا تھا آپ نے فرمایا کہ اس آدمی کے کانوں میں یا فرمایا ایک کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے یہ حدیث بخاری مسلم۔ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے ابن ماجہ نے بلا تردد دونوں کانوں کا ذکر کیا ہے اور امام احمد نے بھی صحیح سند کے ساتھ بھی حدیث ابوہریرہ سے نقل کی ہے انھوں نے بلا تردد ایک کان کا ذکر کیا ہے۔ اور طبرانی نے بھی (اپنی کتاب) اوسط میں ابن مسعود کی حدیث نقل کی ہے۔ اسکے لفظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب کوئی بندہ (خدا) رات کو تہجد پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرشتہ آکر کہتا ہے کہ اُٹھو صبح ہونے کو ہے نماز پڑھو ذکر الہی کرو فرشتہ کے بعد ہی اسکے پاس شیطان آجاتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ابھی تو رات بہت پڑی ہے اور اُٹھ تو جاؤ ہی گے (لہذا سوتے رہو) پس اگر اس نے (فرشتہ کے کہنے کے مطابق) اٹھ کر نماز پڑھ لی تو صبح کو ہنسی خوشی چست چالاک خوش دل ہو کر اُٹھتا ہے اور اگر شیطان کے کہے میں آگیا اور صبح تک پڑا رہا تو وہ اسکے کانوں میں موت جاتا ہے۔

۲۸۱

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں مجھ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ دیکھو تم فلاں آدمی جیسے نہ ہو جانا کہ وہ پہلے تو تہجد کو اُٹھا کرتا تھا اور اب اٹھنا چھوڑ دیا۔ یہ حدیث بخاری مسلم اور نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جب کوئی تم میں سے سونے لگتا ہے تو ہر ایک کی گدی پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ کہکر دم کرتا ہے کہ ابھی رات بہت پڑی ہے سوئے جاؤ اگر یہ سونے والا اٹھ کھڑا ہوا کچھ ذکر الہی کیا تو اس سے ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو بھی کر لیا تو دوسری گرہ بھی کھل گئی اور اگر نماز بھی پڑھ لی تو تیسری بھی کھل گئی اب یہ صبح کو ہنسی خوشی کھلتا ہوا اُٹھتا ہے ورنہ بدون سستی کا مارا ہو کر اُٹھتا ہے۔ یہ حدیث امام بخاری مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ میں اسطرح ہے

(یعنی یہ لفظ زیادہ ہیں) کہ صبح کو ہنسی خوشی اپنے حق میں بہت سے بہترائی حاصل کیئے اٹھتا ہے اور اگر ایسا نہیں کیا تو صبح کو آزردہ خاطر سستی میں دبا ہوا ہو کر اُٹھتا ہے اسے کسی خیر کی توفیق نہیں ہوتی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی والدہ نے اپنے صاحبزادے سلیمانؑ سے فرمایا تھا کہ اے بیٹا رات کو زیادہ نہ سویا کرنا اسلئے کہ رات کو زیادہ سوتا آدمی کو قیامت کے روز فقیر ہی کر چھوڑے گا (تہجد وغیرہ عبادات سے محروم رہنے کے باعث) یہ حدیث ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کی ہے اور اسکی اسناد ممکن ہے کہ حسن ہو۔

انھیں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان خواہ کوئی ہو مرد ہو یا عورت ہو جب وہ سوتا ہے تو شیطان اسکے چند گرہیں لگا دیتا ہے اگر اس نے (اٹھ کر) وضو کر لیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو ہنسی خوشی صبح کو اُٹھتا اور (اپنے حق میں) بہترائی حاصل کیئے ہوتا ہے اور وہ گرہیں بھی سب کھل جاتی ہیں اور اگر آنکھ کھلی اور ذکر الٰہی بھی نہیں کیا تو اسکے صبح کو گرہ لگی ہوئی ہوتی ہے صبح کو طبیعت پر بوجہ سُستی کاہل بھلائی حاصل کرنے سے محروم اُٹھتا ہے یہ حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی (کتاب) صحیح میں نقل کی ہے اور یہ مذکورہ الفاظ ابن حبان کے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ میاں ایسے ہر آدمی سے بہت ناراض رہتے ہیں جو بدخلق بے مروت ہو سخت دل ہو بازاروں میں شور وشغب مچانے والا ہو رات کو مردار کی طرح پڑا رہتا ہو اور دن کو گدھے کی طرح پھرتا ہو دنیوی کاموں میں بہت ہشیار ہو اور امور آخرت سے ناواقف ہو۔ یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور اصبہانی نے (اپنی کتاب میں) نقل کی ہے۔

(باقی آئندہ)

ایسا ہی عورتوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر کسی دن کوا گھر میں بولے تو اس دن مہمان ضرور آتے
ہیں اسیطرح اگر آٹے میں پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنیوالا ہے
اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اسکو گھر میں نہ پالو
بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہیئے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اُجڑے تو اللہ ہی کا گھر
اُجڑے لاحول ولاقوۃ الا باللہ غرض جتنی چیزیں اپنے سے نکمی ہوں وہ سب خدا کیلئے رکھی
جاتی ہیں۔ بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں کہتی ہیں یہ درخت مردے کے کام
میں آتا ہے اسلئے اسکو گھر میں نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بدشگونی ہے اور مردے کی چارپائی کو
اور اسکے کپڑوں کو منحوس سمجھتی ہیں مگر تعجب ہے کہ اسکے معمولی کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے
لیکن اگر اسکا قیمتی دوشالہ ہو یا اسکی جائداد اور رقم ہو تو اسکو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مردہ کے
پہنے ہوئے کپڑے ہونیکی وجہ سے نحوست آتی ہے تو قیمتی کپڑوں میں بھی نحوست آنا چاہیئے
اور اگر نحوست کی وجہ یہ ہے کہ یہ مردہ کا مال ہے تو اسکی جائداد میں بھی نحوست آنی چاہیئے
وہ بھی تو مردہ ہی کا مال ہے یہ عقیدہ بالکل بیہودہ ہے۔ مسلمانوں میں اسکا رواج ہندوؤں
سے آیا اور بعض چیزوں کو مرد بھی منحوس سمجھتے ہیں جیسے الو کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مکان
پر بولتا ہے وہ اجاڑ ہو جاتا ہے اسلئے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ الو منحوس
ہے نہ اسکے بولنے سے کوئی جگہ اجاڑ ہوتی ہے۔ یاد رکھو وہ جو بولتا ہے۔ خدا کی یاد کرتا ہو
تو کیا خدا کی یاد کرنے سے یہ نحوست آتی لاحول ولاقوہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ الو ایسی جگہ تلاش
کرتا ہے جہاں تنہائی ہو۔ اور اسکو اندیشہ نہ رہے اسلئے وہ ویرانوں یعنی اجڑی ہوئی جگہوں
میں بیٹھتا ہے۔ اب یہ دیکھئے یہ وہ اجڑی ہوئی جگہ کس وجہ سے اُجاڑ ہوئی الو تو اجاڑ ہونیکے
بعد ہی آیا ہے اسلئے اسکی وجہ تو وہ جگہ اُجاڑ ہوئی نہیں پس وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے
اُجاڑ ہوتی ہے۔ پس اجاڑنے والے ہم اور ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ الو۔ اور جب یہ ہے تو
منحوس ہم گنہگار ہوئے الو کیوں منحوس ہوا۔ غرض یہ اعتقاد کہ بعض چیزوں میں نحوست ہے غلط
ہے ایک ہندو کا قصہ یاد آگیا جو مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک ہندو تھا
اسکی یہ عادت تھی کہ جن گھوڑوں کو اسکے مالک منحوس سمجھکر بیچتے وہ انکو سستا خرید لیا کرتا تھا

٢٥

اور ان کو خوب نفع سے بیچتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھکو انکی نحوست نہیں لگتی۔ بعض لوگ ایسی عورت کو جسکی جیب کالی ہو منحوس سمجھتے ہیں اور اسکا نام رکھا ہے کالی جیبی یہ بھی بیہودہ بات ہے۔ صاحبو! یہ جو کچھ نحوست ہے گناہوں کی بدولت ہمارے اندر ہے مگر افسوس کہ ہم کو اپنے اندر نحوست نہیں نظر آتی دوسری چیزوں میں نظر آتی ہے ہماری وہ حالت ہے جیسے ایک حبشی چلا جاتا تھا رستہ میں دیکھا کہ ایک آئینہ پڑا ہوا ہے اُٹھا کر دیکھا تو اسمیں اپنی ڈراونی صورت نظر آئی بہت خفا ہوا اور غصہ میں آکر آئینہ کو زمین پر ٹپک دیا اور کہنے لگا ایسا بدصورت تھا جبھی تو کسی نے یہاں پھینک دیا اسکو اپنی بابت یہ بدگمانی نہ ہوئی کہ شاید میں ہی بدصورت ہوں اس نے آئینہ کو بدصورت سمجھا ایک اور دیہاتی کی حکایت ہے کہ اسکا بچہ روٹی کھا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک ٹکڑا پانی کے لوٹے میں گر گیا لڑکے نے جھانک کر دیکھا تو اس میں اپنی صورت نظر آئی باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان اس نے ہمارا ٹکڑا لے لیا ابا جان نے جو لوٹے میں جھانک کر دیکھا تو انکو اپنی صورت نظر پڑی تو آپ فرماتے ہیں کہ سفید ڈاڑھی منہ پر لگا کر بچہ کا ٹکڑا چھینتے ہوئے شرم نہ آئی۔ آخر غصے میں آکر لوٹے کا پانی گرا دیا پھر جو دیکھا تو ٹکڑا موجود ہے مگر صورت کا پتہ نہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ ٹکڑا چھینتا پھرتا ہے مگر ہے حیا شرم والا دیکھو ٹکڑا ڈالکر غائب ہو گیا۔ بالکل یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ ہم کو اپنے عیب دوسروں میں نظر آتے ہیں۔ صاحبو! نحوست اپنے اندر ہے کہ ہم گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ الو منحوس ہے اور قمری منحوس ہے۔ ایک گناہ بُرا عقیدہ ہونے کی وجہ سے عورتیں یہ کرتی ہیں کہ ٹونے ٹوٹکے کرتی ہیں افسوس ہے کہ نہ شریعت کا لحاظ ہے۔ نہ خدا کا خوف ہے۔ اور ایک گناہ بُرا عقیدہ ہونے کی وجہ سے یہ کرتی ہیں کہ اکثر عورتیں منت مانتی ہیں کہ اگر ہمارا یہ کام ہو جائے تو ہم فلاں بزرگ کی نیاز دینگے اور کہتی ہیں کہ ہم تو ثواب پہنچاتے ہیں اور ثواب پہنچانے میں کیا حرج ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ انکا مقصود صرف ثواب پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس کام سے یہ بزرگ خوش ہونگے اور چونکہ خدائی کارخانہ میں انکا بڑا دخل ہے اسلئے انکی خوشی سے ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔ سو بیبیو یاد رکھو کہ خدائی کارخانہ میں کسیکا کچھ دخل نہیں نہ وہاں کسی کا کچھ اثر ہے۔ ایک گناہ بُرا عقیدہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ ترتیب

۲۶

تمام عورتیں اور اکثر مرد بھی عورتوں کے دوسرے نکاح کو بُرا سمجھتے ہیں اور افسوس ہے کہ بعض لکھے پڑھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب دوسرا نکاح فرض تو نہیں پھر اگر نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ میں کہتا ہوں اگر دوسرا نکاح فرض نہیں تو پہلا نکاح کونسا فرض ہے پس جب پہلا نکاح بھی فرض نہیں تو اسکے ساتھ یہی معاملہ کیوں نہیں کرتے جو دوسرے نکاح کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ پہلے نکاح کے لئے تو اسقدر کوشش کیجاتی ہے کہ اگر لڑکی کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہو جاوے اور کہیں سے پیام نہ آئے تو فکر پڑ جاتی ہے اور اسکے تذکرے کئے جاتے ہیں اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھا جاتا ہے ہاں اگر کسی عورت پر پہلے خاوند کا بہت ہی رنج غالب ہو اور اسکو مرد کی بالکل خواہش نہ ہو تو اسکو اجازت ہے کہ وہ نکاح نہ کرے اسیطرح سے جس عورت کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے ہوں کہ انکی پرورش کا انتظام نکاح کے بعد دشوار ہو یا بچوں کی جائداد وغیرہ موجود ہو کہ اسکا انتظام اسکے سپرد ہو۔ تو ایسی عورت کو بھی اجازت ہے کہ نکاح نہ کرے مگر یہ اجازت اسیوقت ہے جبکہ مرد کی اسکو بالکل خواہش نہ ہو لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو اور پھر بھی عرف کی شرم کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے اور اسکو عیب سمجھے تو سخت گناہ ہے بعض جگہ اسقدر جہالت ہے کہ اگر منگنی کے بعد لڑکے کا انتقال ہو جائے تب بھی نکاح نہیں کرتے اور لڑکی کو بٹھلائے رکھتے ہیں یہ بڑی بھاری جہالت اور بیوقوفی ہے اور عورتوں سے زیادہ مردوں کی جہالت پر افسوس ہے کیونکہ مرد تو عقلمند ہوا کرتے ہیں پھر عقلمند ہو کر بھی اسکو عیب سمجھتے ہیں اور بعضے مرد اگرچہ زبان سے اسکو بُرا نہیں کہتے لیکن جس عورت نے اپنا دوسرا نکاح کرا لیا ہو اسکو ذلیل سمجھتے ہیں اور انکے دل میں اسکی اتنی عزت نہیں ہوتی جتنی اس عورت کی ہوتی ہے جو ساری عمر بیوہ بنی بیٹھی رہے مولوی اس بارے میں جتنی کچھ کوشش کرتے ہیں ان کا مقصود صرف یہ ہے کہ لوگوں کے دل سے اسکے عیب سمجھنے کا خیال نکلجائے یہ تو چھوٹی سی فہرست عقیدوں کے متعلق تھی اب عبادات کو لیجئے کہ ان میں بھی بہت سی باتوں میں کمی کر رکھی ہے۔ جیسے عورتیں اکثر تو نماز ہی نہیں پڑھتیں اور یہ عذر کرتی ہیں کہ ہم کو گھر کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ہوتی میں کہتا ہوں کہ ان عذر کرنے والیوں کو اگر ٹھیک کام کے اندر پیشاب کی ضرورت اس زور سے ہو کہ روک ہی نہ سکیں اور

۲۷

اتفاق سے پاخانہ میں جانے کے بعد بند پڑ جائے تو اس صورت میں یہ کیا کریگی آخر جسوقت تک
پیشاب سے فراغت نہ ہو جائے اسوقت تک کام کا حرج کریگی یا نہیں ظاہر ہے کہ ضرور کام کا
حرج کرنا پڑے گا تو کیا خدائی حکم کی اتنی بھی ضرورت نہیں جتنی پیشاب وغیرہ کی ہے اور بعض
عورتیں اگر نماز پڑھتی بھی ہیں تو بہت ہی دیر کرکے اور مکروہ وقت میں اور پھر اسقدر جلدی کہ نماز
میں جہاں کھڑی ہوئیں فوراً رکوع میں بھی چلی گئیں رکوع میں جانا تھا کہ فوراً سجدہ میں پہونچگئیں
گویا نماز ایک قید ہے کہ جسطرح بنے اس سے چھوٹیں بیبیو اگر زیادہ ہمت نہیں ہے تو خیر نفلیں نہ
پڑھا کرو لیکن فرضوں اور سنتوں میں کتربیونت نہ کیا کرو انہیں تو ٹھیک ٹھیک پڑھ لیا کرو اسیطرح
زکوٰۃ دینا حج کرنا اس میں عورتیں بہت سستی کرتی ہیں یاد رکھو کہ جس مال پر زکوٰۃ نہیں دیجاتی
وہ قیامت کے دن سانپ کی شکل بنکر ڈسے گا۔ اب معاملات کو سنئے ان میں بھی بہت زیادہ گڑبڑ
کر رکھی ہے۔ دیکھئے عورتیں اکثر گیہوں کے آٹے سے چنے یا مکئی کا آٹا بدلتی ہیں مگر ان کو کچھ خبر
نہیں کہ اسکے بدلنے کا کیا طریقہ ہے اس میں بعض صورتیں ایسی ہوتی کہ انکی بدولت یہ لین دین
سود کا لین دین ہو جاتا ہے اور اس سے سود کا گناہ ہوتا ہے یہ مثال میں نے اسلئے بیان کی
تاکہ ہم کو معلوم ہو کہ کھانے پینے میں بھی ہم کو شریعت کے مسئلے جاننے کی ضرورت ہے افسوس
ہے کہ مردوں کو بھی ان مسئلوں سے آگاہی نہیں اور لیجئے عورتیں زیور بنواتی ہیں اور خرید کرتی ہیں
اس میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پرانے زیور سے نیا زیور بدلا جاتا ہے اور پرانے زیور کا
وزن اس نئے زیور سے زیادہ ہوتا ہے تو یہ معاملہ سود کا معاملہ ہوگیا اسی طرح اکثر چاندی کا
زیور روپیہ سے خریدا جاتا ہے اس میں بھی بہت گڑبڑ کیجاتی ہے۔ صاحبو ان میں نہایت
ضرورت ہے دین کے مسئلہ سیکھنے اور معلوم کرنے کی، اب بتلایئے جب بدن پر ناجائز
مال لپٹا ہوا ہوگا تو نماز روزہ کی توفیق کیونکر ہو اور نیک کاموں کی ہمت کیسے ہوگی۔ اسیطرح
ریل کے سفر میں اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی اسقدر اسباب لیجاتے ہیں کہ اسپر ریلوے کے
قاعدے سے محصول دینا ہوتا ہے اور یہ نہ اسکا محصول دیتے ہیں نہ اسکو وزن کراتے ہیں
اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود تو تیسرے درجہ کا ٹکٹ لیا تھا لیکن اتفاق سے درمیانے درجہ
میں کوئی دوست بیٹھا تھا اسکے پاس جاکر بیٹھ گئے اور دو تین اسٹیشن آہیں بیٹھے چلے گئے یا

زکوٰۃ دینے میں سستی

معاملات میں بہت زیادہ گڑبڑ

۲۸

ریل کے سفر میں بے احتیاطی

ٹکٹ لیا دو تین اسٹیشن کا اور چلے گئے بہت دُور تک اُن سب صورتوں میں یہ شخص ریلوے کمپنی کا قرضدار رہتا ہے اور قیامت کے دن اس سے وصول کیا جائے گا اگر کبھی ایسی غلطی ہوگئی ہو تو اسکا آسان طریقہ ادا کرنے کا یہ ہے کہ حساب کرکے دیکھو جسقدر قیمت ریلوے کی اپنے ذمہ نکلے اس قیمت کا اسی کمپنی کا ایک ٹکٹ خرید لے مگر اس ٹکٹ سے کچھ کام نہ نکالے اس سے ریلوے کا روپیہ بھی ادا ہو جائے گا اور اس شخص پر کوئی الزام بھی نہ آئے گا۔ اب معاشرت یعنی عادات کو لیجئے اس میں لوگوں سے بہت گناہ ہو جاتے ہیں آجکل نوجوانوں نے انگریزوں کے طریقہ پر چلنے کو تہذیب اور انسانیت سمجھ رکھا ہے صاحبو قرآن وحدیث کو دیکھو تو معلوم ہو کہ تمہارے مذہب کے برابر تہذیب اور تمیز دُنیا کے کسی فرقہ اور کسی مذہب میں بھی نہیں ہے اسیطرح عورتوں کی حالت بالکل خراب ہے اکثر عورتوں میں پردہ بہت ہی کم ہے اور سر تو انکا ہمیشہ ہی کھلا رہتا ہے۔ خاصکر آدھا سر تو گویا ڈھانپنا انکو ضروری ہی نہیں اکثر عورتیں زیور ایسا پہنتی ہیں جس میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ یاد رکھو ایسا زیور پہننا جائز نہیں ہاں اگر زیور میں باجہ نہ ہو اور آپس میں لگ کر بجے تو اسکو پہنکر اگر قدم آہستہ سے رکھا جائے کہ زیادہ آواز پیدا نہو تو جائز ہے۔ عورتوں میں ایک مرض یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں تو بالکل میلی کچیلی خراب حالت میں رہینگی اور جب برادری میں جائینگی تو خوب بن سنور کر بلکہ پڑوس تک کا زیور بھی مانگ لیجائینگی اور بجتا ہوا زیور ضرور پہنیں گی اور پھر انکی اسقدر دیکھ بھال رکھتی ہیں کہ ہر عورت سے ساری برادری کی عورتوں کا زیور اور کپڑے ایک ایک کرکے دریافت کر لیجئے سب بتلا دینگی شاید برادری میں اسی غرض سے گئی تھیں اسیطرح کپڑے ایسے بیہودہ پہنتی ہیں کہ اسمیں ذرا بھی پردہ نہیں ہوتا اور سارا بدن جھلکتا ہے اسیطرح سلام شریعت کے قاعدے کے بالکل خلاف کرتے ہیں بعض عورتیں تو سلام کو صرف سام کہتی ہیں چار حرف بھی پورے انکی زبان سے نہیں نکلتے اور اس سے بھی زیادہ تعجب یہ ہے کہ جواب دینے والی سارے کنبے کے نام گنوا دیتی ہیں۔ کہ بھائی جیتا رہے اور بیٹا زندہ رہے اور شوہر خوش رہے لیکن ایک لفظ وعلیکم السلام نہ کہا جائیگا۔ اب رہے اخلاق انکو تو کوئی جانتا بھی نہیں بس یہ سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کر لینا ہی اخلاق ہے۔ صاحبو اخلاق کہتے ہیں باطنی حالتوں کے سنوارنے کو جیسے اپنے کو سب سے کم سمجھنا کسی کام میں دکھلاوہ نہ ہونا

وغیرہ وغیرہ۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آجکل تواضع کی شکل میں تکبر ہوتا ہے یعنی بہت لوگ تواضع کی صورت اسلئے بناتے ہیں کہ لوگ انکی اور زیادہ تعریف کریں چنانچہ کہتے ہیں کہ صاحب میں تو کوئی چیز نہیں ہوں اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ میں سب ہوں مگر یہ بات زبان سے صرف اسلئے کہہ رہا ہے۔ تاکہ سننے والے زیادہ تعریف کریں اور اسکا امتحان یہ ہے کہ جب یہ اپنے کو کہیں کہ میں تو نالائق ہوں تو سننے والا بھی یہی کہے کہ واقعی آپ نالائق ہیں تو پھر دیکھئے انکی کیا حالت ہوتی ہے یہ سنکر بگڑ ہی تو جائیں غرض اخلاق کی درستی کی بھی زیادہ ضرورت ہے۔

پس یہ پانچ قسم کے گناہ ہیں جنکی اصلاح ہم کو ضروری ہے انکے علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو شریعت کے حکم معلوم کرو۔ دوسرے عمل کا پکا ارادہ کرو۔ تیسرے ارادہ پکا کرنے کیلئے بزرگون کی صحبت اختیار کرو لیکن عورتیں چونکہ پردہ نشین ہیں اسلئے وہ اسکے بدلے بزرگوں کے قصے دیکھا کریں خاصکر بزرگ عورتوں کی حکایتیں ان سے بہت کچھ اثر ہوگا اور ہمت بڑھیگی۔ پھر اس سے تمام گناہ چھوٹ جاینگے اور خدا تعالے کی طرف پوری توجہ ہو جائیگی پھر تم اسکے لائق ہو جاؤ گی کہ تمہارے تمام گناہ اللہ پاک معاف کر دیں اور جنت میں تم کو پہنچا دیں اب خدا سے دُعا کرو کہ وہ عمل کرنے کی توفیق دیں۔ آمین ✣

۳۰

تمت

سلسلہ تسہیل المواعظ کا بیسواں وعظ مسمیٰ بہ توبہ کی تفصیل ختم ہوا۔ نیز سلسلہ مذکور کی جلد اول بیس وعظوں پر ختم ہوئی ہے اب انشاء اللہ تعالےٰ جلد دوم کا وعظ اول جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ سے شروع ہوگا اور الہادی کا چوتھا سال بھی ماہ مذکور سے ہی شروع ہوگا ✣

(از مدیر)

(ح) مثلاً لفظ (ضلع) ایک محدود آبادی کیلئے موضوع ہے مگر ہر محکمہ میں تھوڑے تھوڑے فرق سے
استعمال کیا جاتا ہے. مثلاً ریلوے میں غازی آباد سے ٹونڈلہ تک ضلع ٹونڈلہ کہا جاتا ہے اور ملکی انتظامات
کے لحاظ سے اس مسافت میں کئی ضلع بلند شہر علی گڑھ وغیرہ شامل ہیں تو اگر اس لفظ کو ایک محکمہ والے
اپنے معنی اصطلاحی چھوڑ کر دوسرے محکمہ کے اصطلاحی معنوں میں استعمال کرنے لگیں تو جو کچھ بدنظمی پیدا
ہو جاویگی ظاہر ہے حالانکہ اس میں صرف اتنی غلطی ہے کہ ایک لفظ کے معنی قریب کو چھوڑ دیا گیا اس
سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ کو معنی قریب چھوڑ کر معنی بعید میں استعمال کرنا درست نہیں بنابریں
صورت مذکورہ میں یعنی جبکہ دلیل نقلی ظنی اور دلیل عقلی ظنی میں تعارض ہو تو دلیل نقلی کو معنی قریب سے
پھیرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ بے وجہ ہے اور دلیل عقلی کا تعارض اسکے لئے وجہ بننے کی قابلیت نہیں
رکھتا کیونکہ وہ خود ظنی ہے قطعی طور پر وہ دلیل اس سے تعارض نہیں رکھتی دلیل عقلی میں کیوں تاویل
نہ کی جاوے یا اُس کو غلط سمجھا جاوے تو کونسا حرج ہو جاویگا ہزاروں عقلی ظنی باتیں ایسی ہیں
کہ مدتوں تک دُنیا کے نزدیک مسلم رہتی ہیں بعد ازاں غلط ثابت ہو جاتی ہیں خصوصاً آج کل کے
سائنس کی تحقیقات کہ بہت ہی جلد جلد بدلتی ہیں. ایک محقق نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ
لکھا ہے جس میں اُن فلسفی تحقیقاتوں کو جمع کیا ہے جو تھوڑے زمانے میں بدل چکیں اور دعویٰ
کیا ہے کہ اُن کو دیکھتے ہوئے کسی تحقیق پر بھی اعتماد نہیں رہا حتیٰ کہ ایک تحقیق مدتوں سے اہل
سائنس کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ تھی وہ یہ کہ جس چیز میں سے روشنی نکلتی ہے اُسکا جرم گھٹتا
جاتا ہے حتیٰ کہ آفتاب کا جسم ہی کم ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں لیکن اُسی کو ریڈیم کی ایجاد
نے غلط ثابت کر دیا کیونکہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ باوجود روشنی دینے کے کم نہیں ہوتی. اس صورت
دوم کی مثال یہ ہے کہ قرآن شریف میں آیا ہے وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی
فلک یسبحون (ترجمہ حق تعالیٰ وہ ذات ہے جسنے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور آفتاب کو اور چاند کو
یہ دونوں آسمان میں چلتے ہیں. یسبحون سباحت سے مشتق ہے سباحت تیرنے کو کہتے ہیں یعنی
ایسے چلتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے. ظاہر ہے کہ تیرنے میں تیرنے والے کا جسم ایک جگہ
سے دوسری جگہ کو منتقل ہوتا ہے یعنی پانی کو چیر کر ادھر اُدھر پہونچ جاتا ہے. اس سے ثابت ہوتا
ہے کہ یہ ستارے اسی طرح آسمان میں چلتے ہیں. اسکو حرکت أینیہ کہتے ہیں یعنی ایک جگہ سے دوسری

۸۱

(ح) جگہ میں کل جسم متحرک کا منتقل ہوجانا۔ اور بعض حکماء ان کے صرف حرکت وضعیہ کے قائل ہوئے ہیں حرکت وضعیہ اُسکو کہتے ہیں کہ گول چیز اپنے محور یعنی کیلی پر حرکت کرے اُس میں یہ ہوتا ہے کہ جسم متحرک کے اجزا تو اِدہر سے اُدہر کو ہٹتے ہیں لیکن کل جسم متحرک کی جگہ نہیں بدلتی جیسے چکّی گھومتی ہے۔ یہ تحقیق حکماء کی مضمون آیت سے متعارض ہے لیکن حکماء کی یہ تحقیق ظن کے درجے سے نہیں بڑہی کیونکہ اُن کے پاس اسپر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے تو اس صورت میں آیت کے الفاظ کے صریح معنوں کو حکماء کی اس ظنی تحقیق کی وجہ سے چھوڑنا اور کوئی تاویل بعید کرنا مثلاً یہ کہ دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آسمان میں تیر رہے ہیں اور حرکت اینیہ اُن کو حاصل ہے ورنہ درحقیقت آسمان میں کیل کی طرح گڑے ہوئے ہیں ہاں اپنے محور پر چکّی کی طرح گھوم رہے ہیں ایسا کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ سب خیالی باتیں ہیں کسی نے آسمان پر جاکر دیکھا نہیں۔ زمین میں بلکہ اپنے ہی جسم کے اندر جو چیزیں ہیں اُن ہی کی تحقیق قطعی طور پر نہیں ہوتی تا بآسمان چہ رسد سہ تو کارِ زمین رانکو ساختی ﷺ کہ با آسمان نیز پرداختی۔ امراض کے علاج میں کوئی علاج بالضد کا قائل ہے کوئی علاج بالمثل کا اور نفع دونوں سے ہوتا ہے جن میں تقابل تضاد ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے صحیح ایک ہی ہے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئیگا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بناء کار کسی اور ہی بات پر ہے۔ ایسے موقعہ پر دونوں فریق یہ جواب دیتے ہیں کہ بالخاصہ اثر ہے راقم کہتا ہے کہ یہ کہنا بالکل مرادف اس لفظ کا ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ کس ذریعہ سے یہ اثر ہوا دھوالملاءعے جب مشاہدات میں عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے تو آسمان کو ڈھیلے پھینکنے کا کیا موقعہ ہے ایسے موقعہ پر شرعیات میں اپنی رائے کے مطابق کرنے کیلئے تاویلیں کرنا بعینہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے نوکر سے کہا کہ دو پیسے کے پان لیکر ہمارے پاس کچہری میں اجلاس آجاؤ۔ نوکر نے سوچا کہ پان سے کیا پیٹ بھریگا کیا میں کھاؤنگا اور کیا آقا صاحب کھائینگے لہذا دو پیسے کا اُرد کا آٹا خریدکر دو روٹیاں پکاکر بغل میں دباکر اجلاس میں جا پہونچے۔ آقا صاحب نے اُن کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا لاؤ اُنہوں نے بھرے اجلاس میں ایک چوفی کی روٹی اُن کے سامنے رکھدی آقا صاحب بہت خفیف ہوئے اور اُن کی طرف تیز نظر سے دیکھا اُنہوں نے دوسری روٹی بھی سامنے رکھدی اور کہا لیجئے یہ بھی آپ ہی کھا لیجئے گا میں آج بھوکا ہی پڑرہونگا۔ تمام اجلاس نے اس پر قہقہہ لگایا۔ ناظرین غور کریں کہ

۸۲

(ح) اُس نوکر نے کیا قصور کیا سوائے اسکے کہ آقا صاحب کے الفاظ کو قریب اور صریح معنوں سے پھیر کر بعید معنوں پر محمول کیا کیونکہ اُسکے ذہن میں آیا کہ کھانا تو پیٹ بھرنے کے لئے ہوتا ہے اور پان اُسکے لئے کافی نہیں لہذا پان کا لفظ تمثیلاً کہدیا ہے مقصود یہ ہے کہ کھانے کی چیز لانا اور دو پیسے میں کھانے کی چیز جس سے کچھ پیٹ بھرے وہ یہی چونی کی روٹی ہوسکتی ہی اُسی کو تیار کر کے لے آئے۔ سو اگر معنی قریب سے لفظ کو پھیرنا بُرا نہیں ہے تو اُس نوکر کا کچھ قصور نہیں اور اُسکی اس حرکت پر قہقہہ لگانا بالکل بے موقعہ ہے بلکہ اُس کی تحسین کرنی چاہیئے کہ خوب سمجھا آقا کے حکم کو یہ حقیقت ہے آج کل کے تاویلوں کی جس میں بڑے بڑے قابل لوگ مبتلا ہیں اور جہل مرکب یہ ہے کہ بمقابلہ اپنے علماء کو کہتے ہیں کہ یہ لکیر کے فقیر ہیں بات کی تہ کو نہیں پہونچتے خدا تعالیٰ نے تو تمام شریعت ہمارے نفع کے واسطے اُتاری اُنہوں نے اُسکو ایسا تنگ کر دیا کہ کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا دُنیا میں رہنا مشکل کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ جب دلیل عقلی ظنی اور دلیل نقلی ظنی میں تعارض ہو تو دلیل نقلی کو چھوڑنا یا اُس میں تاویلات کرنا اور دلیل عقلی ظنی کے مطابق بنانا درست نہیں کیونکہ بلا وجہ ہے کیونکہ دلیل عقلی خود اپنے معنے میں متردد ہے جو کچھ ثابت کرتی ہے وہ ظن و گمان ہی کے درجہ میں ہے صورت دوم کا بیان ختم ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور دلیل عقلی ظنی اُس کا حکم ظاہر ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ اس صورت میں دلیل عقلی کو ترجیح دی جاوے کیونکہ اُس کا ظنی ماننا اقرار کرنا ہے اس بات کا اس سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یقین کے درجے میں نہیں ہے پھر اُس پر ایسا یقین کر لینا کہ بمقابلہ دلیل یقینی کے اُسکو ترجیح دی جاوے چہ معنی عقل سلیم اس صورت میں یہ کہتی ہے کہ دلیل یقینی کو مانا جاوے اور اس ظنی کو یہ سمجھکر چھوڑ دیا جاوے کہ گو اس سے ظاہراً وہی امر ثابت ہوتا ہے جو اول امر میں سمجھا جاتا ہے لیکن اُس میں احتمال اس بات کا بھی باقی ہے کہ جانب مخالف موجود ہوسکے یعنی اس سے وہ مدعا جسپر اُسکو پیش کیا جاتا ہے پورے طور سے ثابت نہیں ہوتا اسکی توضیح اس طرح ہوسکتی ہے کہ ڈاکہ والی مثال مذکورۂ بالا میں معتمد علیہ افسر اُس ڈاکہ کے ملزم کی نسبت خبر دے کہ یہ گیارہ بجے ڈاکہ میں شریک تھا اور میں نے اُسکو خود دیکھا اور گواہ صرف اتنا بیان کریں کہ اُسکو دس بجے کی گاڑی سے پہلے ہمنے دیکھا تھا کہ

۸۳

(ج) شہر سے اسباب لئے ہوئے اسٹیشن کو بارادۂ دہلی جارہا تھا۔ یہ اسکو مستلزم ہے کہ ملزم گیارہ بجے ڈاکہ میں شریک نہ تھا لیکن یہ لازم آنا ظنی ہے، قطعی نہیں اسواسطے کہ ہوسکتا ہے کہ شہر سے اس طرح نکلنا بھی اُس کا صحیح ہو اور ڈاکہ میں شریک ہونا بھی صحیح ہو وہ اس صورت سے کہ ملزم دس بجے سے پہلے شہر سے نکلا ہو لیکن اسٹیشن تک نہیں گیا اور اسباب کہیں رکھکر ڈاکہ میں شریک ہوگیا بلکہ بہت ممکن ہے کہ اسنے یہ صورت اسباب باندھنے اور مسافر بننے کی اسی واسطے بنائی ہو کہ لوگ جاتے دیکھہ لیں اور ڈاکہ زنی کا شبہ اُس پر نہ ہوسکے۔ تو یہاں اُس واقعہ کا اُس ملزم کے ڈاکہ میں شریک نہونے کو مستلزم ہونا ظنی ہوا۔ یعنی یہ دلیل عقلی ظنی ہے۔ اور بمقابلہ اُسکے خبر قطعی یعنی اُس افسر کا بچشم خود اُسکو ڈاکہ میں شریک دیکھنا دلیل نقلی قطعی ہے جس میں کوئی احتمال و شک و شبہ نہیں۔ ہر اہل عقل جانتا ہے کہ اس صورت میں دلیل نقلی کو یعنی افسر مذکور کی خبر کو دلیل عقلی پر ترجیح ہوگی کیونکہ دلیل عقلی محتمل ہے اور دلیل نقلی غیر محتمل۔ اس سے ثابت ہوا کہ تعارض ادلہ کی صورت سوم میں یعنی جبکہ دلیل نقلی قطعی ہو اور دلیل عقلی ظنی تو دلیل نقلی ہی کو ترجیح ہوگی اُسکے خلاف کرنا خلاف عقل ہے۔

چوتھی صورت تعارض دلیل شرعی و عقلی کی یہ ہے کہ دلیل شرعی ظنی ہو اور دلیل عقلی قطعی اُس کا حکم یہ ہے کہ یہاں دلیل عقلی کو ترجیح دی جاویگی اور دلیل شرعی کے وہ معنی لئے جاوینگے جسکو وہ محتمل ہے یہ حکم بالکل فطرت سلیمہ کے موافق ہے۔ اس صورت میں اس کہنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ خلاف ادب ہے کہ دلیل شرعی کو چھوڑ دیا گیا یہ چھوڑنا نہیں ہے بلکہ اسکے ظنی ماننے کا اظہار ہے کیونکہ ظنی کہنے کے معنی ہی تھے کہ اُس میں دوسرے معنی کی بھی گنجایش ہے جب ایک کلام میں دو معنے لئے جاسکتے ہیں تو ایک معنی کسی معقول وجہ سے مراد لینا جسکی اجازت متکلم کی طرف سے بھی ہو متکلم کے حکم کے خلاف ورزی نہیں ہوتی جیساکہ ظاہر ہے اسکی مثال عرف میں یہ ہے کہ ایک آقا نوکر کو حکم دے کہ بازار سے ایک تانبے کا لوٹا خرید لاؤ اُسکے ظاہری اور متبادر معنے یہ ہیں کہ قریب کے بازار سے خرید لاؤ لیکن یہ کلام اس دلالت میں قطعی نہیں ہے کیونکہ بازار قریب کے بازار کو بھی کہہ سکتے ہیں اور دور کے بازار کو بھی تو یہ دلیل بازار قریب کے واسطے ظنی ہوئی اب اگر اُسکو دلیل عقلی قطعی سے تعارض ہو مثلاً اُس بازار میں لوٹے بکتے ہی نہوں تو اُس وقت

(ح) میں عقلاً کیا تجویز کرینگے کیا اُس نوکر کو یہ کرنا چاہیئے کہ بازار کے لفظ کو بازار قریب ہی کے معنی پر محمول کرکے اور تلاش کرکے خاموش ہو کر بیٹھ رہے اگر ایسا کرے تو وہ نوکر مطیع اور کارگذار سمجھا جاویگا یا نہیں اور کیا اگر وہ دور کے بازار سے جاکر لوٹا خرید لاوے تو عاصی اور نافرمان قرار دیا جاویگا۔ ہرگز نہیں اگر ایسا کریگا تو آقا سرزنش کریگا اور کہیگا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ دور کے بازار تک مت جانا جب میرا کلام دونوں بازاروں کو شامل تھا اور قریب کے بازار میں لوٹا ملا نہیں تو دوسرے بازار تک کیوں نہیں گیا اسکی بنا اسی اصول پر تو ہے کہ دلیل نقلی ظنی کو دلیل عقلی قطعی پر کیوں ترجیح دی اُس وقت یہ نوکر اگر یہ عذر کرے کہ آپکے حکم کے خلاف ورزی کے خوف سے میں دور کے بازار نہیں گیا تو جواب یہ ہی دیا جاویگا کہ میرا حکم تو خود اُس بازار کے شمول کا احتمال رکھتا تھا خلاف ورزی کیسے ہوتی بلکہ یہ عین تعمیل حکم اور کارگذاری تھی اس مثال سے بخوبی توضیح ہوجاتی ہے کہ یہ اصول بالکل موافق عقل سلیم ہے کہ دلیل نقلی ظنی کو جب دلیل عقلی قطعی سے تعارض ہو تو دلیل عقلی پر عمل کرنا چاہیئے اور اس عمل کرنے سے دلیل نقلی کو ترک کرنا لازم نہیں آتا بلکہ اُسکی ظنیت کو تسلیم کرتا ہے اور متکلم کے عین مراد کو سمجھنا اور تعمیل کرنا ہے اُسکی شرعی مثال یہ ہے کہ سائنس دانوں کے مشاہدہ سے اور ریاضی کے قواعد یقینیہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ آفتاب زمین سے علیحدہ ہے اور اپنی حرکت کے کسی حالت میں زمین سے نہیں چھوتا اور قرآن شریف میں ذوالقرنین کے قصہ میں یہ لفظ آئے ہیں (وَجَدَھَا تَغْرُبُ فِی عَیْنٍ حَمِئَۃٍ) یعنی ذوالقرنین ایک ایسی جگہ پر پہونچے کہ وہاں آفتاب کو پایا ایک کیچڑ والے چشمہ میں غروب ہوتا ہے۔ اِن الفاظ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں آفتاب پانی اور کیچڑ میں غروب ہوتا تھا تو زمین سے اُسکو مس ہوا اور یہ دلیل عقلی مذکورہ کے خلاف ہے چونکہ یہاں دلیل نقلی کی دلالت ظنی ہے اس واسطے کہ آیت یہ نہیں کہتی کہ وہاں آفتاب کیچڑ اور پانی میں چھپتا تھا بلکہ یوں کہتی ہے کہ ذوالقرنین نے یوں محسوس کیا اسکو بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہتے ہیں ایسے موقعوں پر ہمارے محاورہ میں بھی ایسے ہی لفظ بولتے ہیں مثلاً حاجی لوگ سمندر کی حالت بیان کرتے ہیں کہ اتنا لمبا چوڑا ہے کہ ہفتوں تک کہیں خشکی کا نشان نظر نہیں آتا آفتاب پانی ہی میں سے نکلتا ہے اور پانی ہی میں چھپتا ہے اُس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ واقعی میں ایسا ہی ہے

(ح) کہ آفتاب پانی کے اندر سے نکلتا ہے اور پانی کے اندر چھپتا ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ آنکھ سے ایسا نظر آتا ہے کیونکہ جہاں تک نظر پہونچتی ہے پانی ہی پانی ہوتا ہے تو جو چیز نیچے سے اوپر کو آویگی وہ پانی ہی میں سے اُٹھتی نظر آویگی چونکہ آیت کی دلالت آفتاب کے زمین سے مس کرنے پر بالکل ظنی ہے اور اُس میں دوسرے معنوں کی بہت گنجائش ہے اور دلیل عقلی اُسکے خلاف بالکل قطعی ہے لہذا دلیل عقلی کو بحال رکھا جاویگا اور دلیل نقلی کے وہ معنی لئے جاوینگے جسکو وہ محتمل ہے یعنی بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آفتاب پانی میں چھپتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایسی جگہ تھی آگے اُسکے مغرب کے طرف پانی ہی پانی تھا حتی کہ آفتاب پانی ہی میں غروب ہوتا نظر آتا تھا یہ وہ واقعہ ہے کہ جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ درایت مقدم ہے روایت پر واللہ اعلم۔

اس تعارض ادلہ کی بحث سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ابناء زمان کا یہ طریقہ کس قدر غلط ہے کہ ہر جگہ درایت کو مقدم رکھتے ہیں روایت پر اور متکلمین کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو اُنہوں نے سمجھا بلکہ اسمیں تفصیل ہے اور تعارض کی چار صورتیں ہیں صرف ایک صورت میں درایت کو مقدم کیا جاتا ہے روایت پر اور یہ مقدم کرنا روایت کا ترک نہیں ہے بلکہ اُسکی باعتبار دوسرے معنی کے تعمیل ہے دونوں میں تطبیق ہے ۴۶

تنبیہ جیسے یہ غلطی ہے کہ ہر جگہ دلیل عقلی کو دلیل نقلی پر مقدم کیا جاوے جس میں آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ کثرت سے مبتلا ہیں ایسی ہی یہ بھی غلطی ہے کہ دلائل شرعیہ میں امتیاز نہ کیا جاوے اور ہر دلیل کو خواہ وہ ظنی ہی ہو قطعی کے درجہ میں پہونچا دیا جاوے۔ کیونکہ اُس کو ظنی تسلیم کرنیکے معنی یہ ہی تھے کہ اُس کا حکم اُس یقین کا موجب نہیں جو دلیل قطعی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس غلطی میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں خصوصًا کم علم واعظین کہ واعظوں میں ایسے ایسے مضامین بیان کرتے ہیں جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں یا صراحۃً قرآن یا حدیث میں موجود ہیں مگر اُن کا ثبوت یا دلالت درجۂ ظن سے نہیں بڑھا ہے مثلاً حدیث آحاد سے ثابت ہیں جنکی سند متواتر نہیں ہے یا قرآن شریف میں موجود ہیں مگر دلالت الفاظ کی ظنی ہے یعنی ایسے الفاظ ہیں جن کے ایک معنی قریب ہیں اور ایک بعید اور اس وجہ سے کہ معنی قریب کو چھوڑنیکی کوئی خاص وجہ نہیں ہے معنی قریب ہی لیئے جاتے ہیں مگر احتمال معنی بعید کا بھی رہتا ہے اور اسی وجہ سے اُسکو ظنی کہا جاتا ہے۔ یہ واعظ لوگ اُس پر فتوی لگا دیتے ہیں کہ قرآن سے یہ مضمون ثابت ہے جو کوئی اسکے خلاف عقیدہ رکھے وہ قرآن کا

(ح) منکر ہے اور قرآن کا منکر کافر ہے یہ سخت غلطی ہے اور جہالت ہے بطور نمونہ ایک مضمون ایسا پیش کیا جاتا ہے بعض واعظ صاحبان نے بیان کیا کہ قرآن شریف سے زمین کا غیر متحرک ہونا ثابت ہے اور ثبوت میں یہ آیت پڑھی ۔ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناءً لفظ اقرار مصدر ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل بھی آسکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ زمین کو ٹھیرنے والی چیز بنایا اور یہاں تقدیر مضاف کی بھی ممکن ہے ۔ تو معنی یہ ہونگے کہ زمین کو محل قرار یعنی جگہ بنایا نیز ممکن ہے کہ قرار مفعول لہٗ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ زمین کو واسطے ٹھیرنیکے بنایا جب تین احتمال ہیں تو تینوں ظنی ہوگئے اور آیت کی دلالت کسی معنی پر بھی مانی جاوے ظنی کہلائے گی تو ایک کو متعین کر لینا زبردستی ہے اور اُس پر ایسا یقین کر لینا کہ اُسکے خلاف کہنے پر کفر کا فتوی لگایا جاوے جہالت ہے ۔ ایسے موقعوں پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ کہا جاوے کہ ظاہری معنی یہ ہیں کہ زمین ساکن ہے لیکن دوسرے معنوں کے محتمل ہونیکی وجہ سے یہ مسئلہ یقین کے درجہ میں نہیں ہے اگر کسی دلیل عقلی سے یا مشاہدہ سے زمین کا متحرک ہونا ثابت ہوجاوے تو آیت کے خلاف نہیں ہے اسی وجہ سے حضرت مصنف مدظلہٗ نے تلخیصات عشر میں تحریر فرمایا ہے قالوا ان الارض متحرکۃ قلنا لا تصدق ولا تکذب یعنی اہل سائنس نے کہا ہے زمین متحرک ہے ہم کہتے ہیں نہ ہم اسکی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب ۔ یعنی مذہب اسلام میں اسکے متعلق کوئی تصریح قطعی نہیں آئی اگر حرکت ثابت ہو تو شریعت کے خلاف نہیں اور سکون ثابت ہو تو شریعت کے خلاف نہیں ۔ اور بطور قاعدہ کلیہ بعض تقریرات میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اُن باتوں کے متعلق کوئی رائے قطعی قرار دینا جنکے متعلق شریعت میں کوئی نص قطعی نہیں آئی نہایت خطرناک ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اُس نے ایک رائے تحقیق شرعی سمجھکر قرار دے لی اور مرتے وقت یا زندگی ہی میں اُسکے خلاف مکشوف یا ثابت ہوگیا تو دل میں تمام تحقیقات شرعی سے بدگمانی پیدا ہوجاویگی اور نعوذ باللہ ایمان جاتا رہیگا ۔ اور خیال ہوگا کہ شریعت کی ساری باتیں ایسی ہی غلط ہونگی جیسے اُس میں غلطی نکلی حالانکہ یہ شریعت کی غلطی نہیں خود اُسی کی غلطی ہے شریعت نے تو خود اُس کو تصریح کے ساتھ نہیں بیان کیا تھا اُس نے اسکو تصریح سمجھا جب شریعت نے ایک بات کو ظن کے مرتبہ میں رکھا تو اُس نے اُسکو یقین کے مرتبہ میں کیوں پہونچا دیا ۔ اس غلطی میں لوگ کثرت سے مبتلا ہیں ۔ ایسی صدہا باتیں ہیں جنکو شریعت نے ظن کے مرتبہ میں رکھا ہی

۸۷

(ح) اُن کو یقین کے مرتبہ میں پہونچا دینا زیادتی ہے اور طرح طرح کے خطرات کا موجب ہے جیساکہ اس کتاب میں جگہ جگہ آئیگا ایسے موقع پر یہ کہنا چاہیئے کہ شریعت نے اسکو صاف بیان نہیں کیا جو کچھ بیان کیا ہو اُس میں کئی احتمال ہیں لہذا سب ظنی ہیں لہذا شرعی لحاظ سے نہ ہم اُس پر کامل یقین کر سکتے ہیں نہ اُسکی قطعی طور پر نفی کر سکتے ہیں اگر کوئی دلیل عقلی یقینی اس وقت یا آیندہ موجود ہوگئی تو نقلی دلیل کے وہ دوسرے معنے لیکر جنکو وہ محتمل ہے عقلی دلیل کے موافق قائل ہو جائینگے مثلاً زمین کے متحرک ہونیکے متعلق نقلی دلیل کے ظاہر الفاظ کا مقتضا کسی درجہ میں حرکت کی نفی ہے لیکن دوسرے معنوں کو بھی محتمل ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا انکے اعتبار سے حرکت وعدم حرکت سے سکوت ثابت ہوا اور عقلی دلیل آج کل کی تحقیق کے موافق زمین کی حرکت ثابت کرتی ہے گو یہ دلیل بھی ظنی ہے یعنی ایسی یقینی نہیں ہے کہ اُس میں جانب مخالف کا احتمال ہی نہ رہے یہ ہی وجہ ہے کہ بعض سائنس داں زمین کی حرکت کے خلاف بھی ہیں لہذا یوں کہیں گے کہ شریعت میں اُسکی کوئی تصریح نہیں عقلی دلیل سے جو ثابت ہو اُسکو مانا جاسکتا ہے نہ حرکت کے قائل ہونے میں کوئی شرعی گناہ لازم آتا ہے نہ سکون کے قائل ہونے میں۔ دونوں حق تعالیٰ کے قدرت کاملہ کی دلیلیں ہیں سکون تو اس واسطے کہ اتنا بڑا ثقیل جسم کس خوبی کے ساتھ ٹھیرا ہوا ہے اور حرکت اس سے بھی زیادہ قدرت کی دلیل ہے کیونکہ اتنا بڑا جسم کس استقامت اور انتظام کے ساتھ حرکت کرتا ہے کہ کبھی اُسکی حرکت میں فرق نہیں آتا کبھی اُسکی حرکت میں ذراسی غیر طبعی حرکت شامل کر دیتے ہیں جسکو زلزلہ کہتے ہیں تو کیا قیامت آجاتی ہے۔

فائدہ جلیلہ۔ کوئی ملحد کہہ سکتا ہے کہ شریعت اسلامی کو الہامی اور منزل من اللہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم پورا پورا اور واقعی ہے پھر شریعت کی باتوں میں قطعی اور ظنی کی طرف تقسیم کیا معنے کیا خدائے تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بعض باتوں کا علم قطعی طور پر نہ تھا جو وہ ظنی رہ گئیں اُسکے جواب تین ہیں دو الزامی اور ایک تحقیقی، پہلا جواب الزامی یہ ہے کہ اس اشکال کے جواب کے صرف اہل اسلام ہی ذمہ دار نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو کسی مذہب کا قائل ہے اُس کا ذمہ دار ہے کوئی ایسا مذہب نہیں جسکی تحقیقات میں یہ تقسیم نہ ہو ورنہ اُس مذہب کے علماء میں اختلاف نہوتا اور اختلاف سے کوئی مذہب خالی نہیں اختلاف صاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بات پوری طرح صاف بیان نہیں ہوئی اور بعضی باتیں ایسی بھی ہر مذہب میں ہیں جن میں اختلاف نہیں ظاہر ہے۔

۸۸

(باقی آیندہ)

عاشق صنع خدا با فر بود — عاشق مصنوع او کافر بود

درمیان این دو فرقے بس خفیست — خود شناسد آنکه در رویت صفیست

وے سوالے کرد سائل مر مرا — زانکه عاشق بود او بر ماجرا

گفت نکتهٔ الرضا بالکفر کفر — این ز پیغمبر گفت و گفت اوست مهر ۲۵

باز فرمود او که اندر هر قضا — مر مسلمان را رضا باید رضا

نے قضائے حق بود کفر و نفاق — گر بدین راضی شوم باشد شقاق

ورنیم راضی بود آن هم زیان — پس چه چاره باشدم اندر میان

گفتمش این کفر مقضی نے قضاست — هست آثار قضا این کفر راست

پس قضا را خواجه از مقضی بدان — تا شکالت حل شود اندر جهان

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست | نے ازان رو کہ نزع و کفر ماست
کفر از روئے قضا خود کفر نیست | حق را کافر مخوان اینجا مایست
کفر جہل ست و قضائے کفر علم | ہر دو یک کے باشد آخر حلم و خلم
زشتی خط زشتی نقاش نیست | بلکہ از وے زشت را بنمودنیست
قوت نقاش باشد آنکہ او | ہم تواند زشت کردن ہم نکو
۲۶ گر کشائم بحث این را من بساز | تا سوال و تا جواب آید دراز
ذوق نکتہ عشق از من میرود | نقش خدمت نقش دیگر مے شود
آن یکے مرد دو مو آمد شتاب | پیش یک آئینہ دار مستطاب
گفت از ریشم سفیدی کن جدا | کہ عروس نو گزیدم اے فتا
ریش او ببرید و کل پیشش نہاد | کہ تو بگزین چون مرا کاری فتاد
این سوال و این جواب ست ای گزین | کہ سر اینہا ندارد مرد دین

این یکے زد سیلیے مر زید را | حملہ کرد او ہم برائے کید را

گفت سیلی زن سوالے میکنم | پس جوابم گوئی وانگہ مے زنم

بر قفائے تو زدم آمد طراق | یک سوالے دارم اینجا در وفاق

این سوال از تو ہمے پرسم بگو | حل کن اشکال مرا اے نیکخو

این طراق از دست من بُد یا | از قفاگاہِ تو اے فخر کیا

گفت از درد این فراغت نیستم | کہ درین فکر و تامل بیستم ۲۷

تو کہ بیدردی ہمی اندیش این | نیست صاحب درد را این فکر ہین

دردمندان را نباشد فکر غیر | خواہ در مسجد برو خواہے بدیر

غفلت و بیدردیت فکر آورد | در خیالت نکتۂ بکر آورد

جز غم دین نیست صاحب درد را | مے شناسد ہر درا او گرد را

حکم حق را بر سر در دنہد | حفظ و فکر خویش یکسو مے نہد

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق صنع الٰہی نہایت اچھی
چیز ہے اور عاشق فعل حق نہایت باشکوہ برخلاف اسکے عشق مصنوع نہایت مذموم ہے اور عاشق
مصنوع بمنزلہ کافر کے ہے ان دونوں میں بہت باریک فرق ہے ہکو صاحب بصیرت صافیہ
ہی سمجھ سکتا ہے اور اسکی خفا کی تصدیق تم کو اس واقعہ سے ہوگی کہ کل ایک شخص نے چونکہ وہ
تحقیق واقعہ کا نہایت شایق تھا مجھ سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے الرضاء بالکفر کفر اور آپ کا ارشاد مستند ہے اسکے بعد فرمایا کہ ہر مسلمان کو
قضاء الٰہی پر رضامند ہونا چاہیئے اب آپ فرماییے کہ کیا کفر و نفاق قضاے الٰہی نہیں۔ جبکہ
یہ قضاء الٰہی ہیں تو ان پر بحکم حدیث ثانی رضامند ہونا چاہیئے پس اگر اسپر راضی ہوتا ہوں تو حدیث
اول کی مخالفت ہے اور اگر راضی نہیں ہوتا تو یہ بھی نقصان ہے کہ حدیث اول کے خلاف ہے
اب میں بیچ میں پھنسکر رہگیا ہوں نہ ادہر ہی جا سکتا ہوں نہ اُدہر بس آپ فرمائیں کہ میں کیا کروں
میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ تم کو خفا کے سبب صنع اور مصنوع اور قضا اور مقضے میں تمیز نہیں
ہوئی اس وجہ سے یہ اشکال عارض ہوا۔ کفر قضا نہیں کیونکہ وہ فعل حق سبحانہ ہے بلکہ کفر
مقضے ہے اسلئے کہ فعل عبد ہے اور یہ کفر عین قضا نہیں بلکہ اثر قضا ہے پس تم کو قضا اور مقضی
میں فرق کرنا چاہیئے تاکہ تمہارا شبہ حل ہوجاوے اور یوں کہو کہ میں کفر سے راضی ہوں
اس حیثیت سے کہ آپ کے قضا کا اثر ہے اور اس حیثیت سے اُس سے راضی نہیں ہوں۔
کہ وہ آپ کے ساتھ بغاوت اور ہمارا کفر اور ہمارا فعل ہے پس دونوں حدیثوں پر
عمل ہوگیا۔ حدیث ثانی پر تو ظاہر ہے اور حدیث اول پر اسلئے کہ کفر بحیثیت اثر قضا ہونے کے کفر
ہی نہیں کیونکہ خلق کفر اور قضاے کفر کفر نہیں ورنہ نعوذ باللہ خدا کا کافر ہونا لازم آئے گا۔
پس تم اسکو کفر نہ کہو۔ اور خدا کو کافر کہنے سے بچو اور قضاے کفر کفر ہو کیونکر سکتی ہے اس لئے
کہ کفر تو جہل ہے اور قضاے کفر علم و حکمت پس دونوں حلم و غضب کی طرح ایک دوسرے کی
ضد ہونگے اور ایک نہ ہونگے اگر اسپر شبہ ہو کہ قضاے کفر علم و حکمت کیونکر ہو سکتا ہے اور
قبیح کیوں نہ ہوگا تو اسکو یوں سمجھو کہ اگر کوئی خوشخطی کا اوستاد کامل بُرے حروف لکھے تو وہ
حروف فی نفسہ تو ضرور بُرے ہونگے مگر اس سے وہ بُرائی کی صفت استاد تک سرایت نکریگی

۲۸

اور وہ بُرا نہ ہوگا بلکہ یوں کہا جاویگا کہ اُس نے بُرے کی بُرائی ظاہر کی اور یہ اُس کا نقص سمجھا
جاویگا بلکہ یہ اسکی قدرت تامہ اور کمال تام ہے کہ وہ اچھے کو بُرا بھی بنا سکتا ہے یعنی جسطرح
وہ اچھا لکھ سکتا ہے یوں ہی بُرا بھی لکھ سکتا ہے بس میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اسلئے کہ
اگر میں مفصل بحث کرتا ہوں جسمیں بہت سے سوال وجواب ہوں اور اس وجہ سے وہ دراز ہو جاوے
تو ذوق عشق میرے ہاتھ سے جاتا ہے اور اب جو میں خدمت بندگان خدا میں مصروف ہوں
یا طاعت الٰہی میں مشغول ہوں یہ صورت مشکر دوسری صورت پیدا ہوتی جاتی ہے کیونکہ مجھے
نفس کی مداخلت کا اندیشہ ہے یا یوں کہو کہ یہ جسقدر میں نے کہا ہے اور کہہ رہا ہوں یہ تو
بالہام حق ہے اور مزید تفصیل کے متعلق الہام ہوا نہیں پس اگر میں زیادہ بیان کرونگا تو اسمیں
اپنی فہم سے کام لینا پڑیگا اور اس میں مشغولیت کے سبب حق سبحانہ کی طرف سے توجہ ہٹے گی
اور اس سے عشق میں نقصان آنا ظاہر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے اس ذوق میں کمی
آجائے۔ لہٰذا مزید تفصیل سے معذور ہوں اب اسکے مناسب ایک قصہ سُن جس سے میری
معذوری خوب ظاہر ہو جاوے۔ ایک شخص جسکے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ تھے وہ ایک حجام ۳۹
کے پاس آیا اور کہا کہ میری ڈاڑھی میں سے سفید بال نکال دے کیونکہ میں نے نئی شادی کی ہے
مبادا دلہن کو نفرت ہو جاوے اُس نے ساری ڈاڑھی مونڈ کر سامنے رکھدی اور کہا کہ مجھے
تو فرصت نہیں کیونکہ ایک ضروری کام آپڑا ہے آپ خود چن لیجئے بس یہی حالت طالبین کی
ہوتی ہے اور وہ سوال وجواب کی طرف اصلا التفات نہیں کرتا۔ اسکی مثال ایسی ہوتی ہے۔
جیسے کسی شخص نے ایک شخص کے تھپڑ مارا اس نے بھی چالاکی سے اسپر حملہ کرنا چاہا تو اُس تھپڑ
مارنے والے نے کہا کہ میں ایک سوال کرتا ہوں پہلے تم اُسکا جواب دیدو اسکے بعد مجھے
مار لینا یہ تو ظاہر ہے کہ میں نے تمہاری گدی پر تڑاق سے تھپڑ مارا ہے اسکے متعلق مجھے ایک
بات بغرض تحقیق دریافت کرنی ہے وہ یہ کہ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں اور آپ میرے اس
شبہ کو حل فرمائیں کہ تڑاق میرے ہاتھ سے ہوا تھا یا آپ کی گدی سے اسکے جواب میں وہ یہی
کہے گا کہ تکلیف کے سبب مجھے اتنی مہلت نہیں کہ اس معاملہ میں غور وخوص کروں تم کو
تکلیف نہیں ہے لہٰذا تم خود ہی سوچے جاؤ پس صاحب جسکو تکلیف ہوگی اور اپنی مصیبت

میں مبتلا ہوگا وہ کسی مخمصہ میں نہ پڑیگا اور جو اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں وہ دوسرے کی فکر میں نہیں پڑتے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم خود ہی مصیبت میں مبتلا ہیں ہماری بلا سے خواہ تم مسجد میں جاؤ یا تبخانہ میں غفلت اور بیدردی ہی کی یہ خاصیت ہے کہ تم افکار لایعنی میں مبتلا ہوتے ہو۔ اور وہ ہی تمہارے خیال میں نفیس نفیس مضامین پیدا کرتی ہے جسکو اپنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اسکو تو سوائے دین کی فکر کے اور کوئی بھی فکر نہ ہوگی اور وہ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کریگا بس اسکا کام تو یہ ہوگا کہ حکم خداوندی کو سر پر رکھے گا۔ اور اپنی کسی غیر اہم شے کو یاد کرنے اور اسکو سوچنے کو ایک طرف رکھے گا۔

۳۰ ان دونوں حدیثوں کے درمیان میں توفیق کہ الرضا بالکفر کفر اور دوسری حدیث کہ من لم یرض بقضائے ولم یصبر علی بلائے فلیطلب ربا سوائے

وے سوالے کرد سائل مر مرا — زانکہ عاشق بود او بر ماجرا

یعنی کل ایک سائل نے مجھ سے ایک سوال کیا اسلئے کہ وہ بحث و مباحثہ کا عاشق تھا۔

گفت نکتہ الرضا بالکفر کفر — این پیمبر گفت و گفت اوست مہر

یعنی اس نے کہا الرضا بالکفر کا نکتہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور آپ کا قول مہر ہے

یعنی ثابت ہے۔

باز فرمود او کہ اندر ہر قضا ہر مسلمان را رضا باید رضا

یعنی پھر آپ نے ہی فرمایا ہے کہ ہر قضا میں مسلمان کو رضا چاہیئے رضا۔

نے قضائے حق بود کفر و نفاق گر بدین راضی شوم باشد شقاق

یعنی تو کیا کفر و نفاق قضائے حق نہیں ہے تو اگر میں اُسپر راضی ہوتا ہوں تو یہ تو خلاف حق ہے۔

ور نیم راضی بود آن ہم زیان پس چہ چارہ باشدم اندر میان

یعنی اور اگر راضی نہیں ہوتا ہوں تو یہ بھی نقصان ہے تو اب درمیان میں میرا کیا علاج مطلب یہ کہ اب نہ ادہر ہٹ سکتے ہیں اور نہ ادہر بڑھ سکتے ہیں تو بتاؤ کہ کیا کریں۔

۳۱

گفتمش این کفر مقضے نے قضاست ہست آثار قضا این کفر راست

یعنی میں نے اُس سے کہا کہ یہ کفر تو مقضی ہے نہ کہ قضا ہے اور یہ کفر تو ٹھیک آثار قضا میں سے ہی

پس قضا را خواجہ از مقضے بدان تا شکالت دفع گردد در زمان

یعنی پس اے خواجہ قضا کو مقضے سے (ممتاز کرکے) جان تا کہ تمہارا اشکال اسیوقت دفع ہو جاوے. تو جب وہ قضا نہیں بلکہ مقضے ہے تو وہ رضا کا محکوم علیہ بھی نہیں ہے آگے بر تقدیر تسلیم ایک دوسرا جواب دیتے ہیں کہ۔

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست نے ازان رو کہ نزاع و خبث ماست

یعنی میں کفر پر اس حیثیت سے کہ وہ قضا ہے راضی ہوں نہ اس حیثیت سے کہ ہماری خباثت اور نزاع ہے مطلب یہ کہ اگر مان بھی لیں کہ کفر قابل رضا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حیثیت سے

کہ فعل حق ہی قضا ہے اور اسپر ہم راضی بھی ہیں مگر اس حیثیت سے کہ وہ فعل عبد ہے ہم راضی نہیں ہیں۔

کفر از روئے قضا خود کفر نیست ۔۔۔ حق را کافر مخوان اینجا مایست

یعنی کفر از روئے قضا کے کفر ہی نہیں ہے حق کو کافر مت کہہ اور اس جگہ مت کھڑا ہو مطلب یہ کہ درجۂ خلق و فعل حق میں یہ کفر کفر ہی نہیں ہے ورنہ اگر اُسکو اس درجہ میں کفر کہا جاوے اور اسکے خالق حق تعالےٰ ہیں تو نعوذ باللہ جو لفظ کہ اسکے مرتکب اور فاعل کیلئے کہا جاوے وہی حق تعالےٰ کے لئے ہوگا بس معلوم ہوا کہ وہ اس درجہ میں کفر ہی نہیں ہے تو اسپر رضا بھی واجب ہے۔

کفر جہل است و قضائے کفر علم ۔۔۔ ہر دو یک کے باشد آخر خلم و حلم

۳۲ یعنی کفر تو جہل ہے اور قضائے کفر علم ہے تو پھر حلم اور غضب دونوں یکساں کیسے ہوجاوینگے وہ الگ ہے وہ الگ آگے مثال ہے کہ۔

زشتی خط زشتی نقاش نیست ۔۔۔ بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

یعنی خط کی زشتی (مستلزم) نقاش کی زشتی (کو) نہیں ہے بلکہ اُس سے زشت کا دکھانا ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی کاتب میر نیچہ کش جیسا مثلاً ایسا لکھے جیسے کہ ایک بچہ لکھتا ہے اور کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ بچہ کا لکھا ہوا ہے یا کسی ماہر کاتب کا تو یہ اُنکا نقص ہونیکے علاوہ اُن کا کمال ہے کہ باوجود ایسے بڑے کاتب ہونیکے پھر ایسا لکھ سکتے ہیں۔ تو خلق کفر زشتی حق نہیں ہے بلکہ دلیل کمال حق کی ہے۔

قوت نقاش باشد آنکہ او ۔۔۔ ہم تواند زشت کردن ہم نکو

یعنی یہ تو نقاش کی قوت کی دلیل ہے کہ وہ بُرا بھی بنا سکتا ہے اور اچھا بھی آگے فرماتے ہیں کہ۔

(باقی آئندہ)

معہ شرح الملقب بالادراک والتوصل الی تحقیق الاشتراک والتوسل

بعد البسملۃ والحمدلۃ والصلوۃ۔ یہ ایک حدیث ہے رسالہ تشرف کی جسمیں دو معرکۃ الآرا مسئلوں کی ایک بدیع تحقیق ہے جو طالبانہ تلاش سے ملتی ہی نہ عامہ افکار کو وہاں تک رسائی ہوتی ہے ایک مسئلہ توسل جو موضوع رسالہ (تشرف) میں داخل ہونے کے سبب قصداً وارد کیا گیا ہے دوسرا معیار فرق شرک اکبر و اصغر کا جو ضمناً مذکور ہوا ہے۔ ضروری اور کثیر النفع اور اہل علم کے معتنی بہ ہونے کے سبب اسکو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بنا دیا گیا کہ انتفاع میں سہولت ہو اور استقلال کی بنا پر اس کا ایک لقب بھی رکھدیا گیا جو عنوان میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ اسکو نافع اور شبہات کے لیئے دافع فرما دیے۔ کتبہ اشرف علی آغاز محرم سنہ ۱۳۴۶ھ

۱۴۳

حدیث مصعب بن سعد عن ابیہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما نصر اللہ

حدیث مصعب بن سعد کی حدیث ہے روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ اون کو یہ خیال ہو گیا کہ مجکو دوسرے صحابہ رضی پر (بوجہ ریاست کے) کچھ فوقیت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نصرت

هذه الامة
بضعفائها ودعوتهم
واخلاصهم
رواه النسائي وهو
عند البخاري
بلفظ هل تنصرون
وترزقون الا بضعفائكم
ف دل على امرين الاول
فضل الضعفاء ومن ثم ترے
اهل الله يقدمون الضعفاء
على الكبراء والثاني ثبوت
التوسل بالمقبولين ذواتهم
واعمالهم الظاهرة واعمالهم
الباطنة كما تدل عليه
بضعفائها ودعوتهم و
اخلاصهم التفصيل فی
المسئلة ان التوسل
بالمخلوق له تفاسير ثلثة
الاول دعاءه واستغاثته
كديدن المشركين
وهو حرام اجماعا

۱۴۴

اس امت کی ساتھ ہی وہ بدولت اُس کے
عاجزوں کے اور اُنکی دعا و اخلاص ہی کے ہے
(تو رؤسا اُن کے محتاج ہوئے نہ کہ برعکس)
روایت کیا اسکو نسائی نے اور یہ حدیث
بخاری کے نزدیک ان الفاظ سے ہے۔
تمھاری جو نصرت کی جاتی ہے اور تم کو جو
رزق ملتا ہے یہ صرف تمھارے عاجزوں
کے بدولت ہے **ف** یہ حدیث دو امر پر دال
ہے ایک تو عاجزوں کی فضیلت اور اسی وجہ
سے تم اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ عاجزوں کو
رؤسا پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسرا
مقبولین سے توسل کا ثبوت اُنکی ذات سے بھی
اور اُن کے اعمال ظاہرہ و باطنہ کے ساتھ
بھی چنانچہ اس مجموعہ پر یہ الفاظ دلالت کرتے
ہیں کہ بدولت اُس کے عاجزوں کے اور اُنکی
دعا و اخلاص کے (لفظ عاجز ذات پر دال ہے
اور دعا عمل ظاہر پر اور اخلاص عمل باطن پر)
اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق
کی تین تفسیریں ہیں ایک مخلوق سے دعا
کرنا اور اُس سے التجا کرنا جیسا مشرکین کا
طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے باقی

یہ کہ یہ شرک جلی بھی ہے یا نہیں سو اس کا معیار یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس مخلوق کے	امانۂ شرک جلی امر لا معیار ہ

لہ حاصل اس اعتقاد تاثیر و عدم اعتقاد تاثیر کے معیار فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہونچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین و حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ اون کا اجرا اوسوقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا۔ سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے آلہۂ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا'' اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوق کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ اپنے متوسلین کیلئے سفارش کرتے ہیں پھر اوس سفارش کے بعد قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اوس سفارش کی تحصیل کے لئے اُسکے ساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقاد تاثیر نہیں ہے لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اسکو مشرک کہدیا جاتا ہے۔ ھذا ما سنح لی واللہ اعلم''

۱۴۵

تتمیم لزیادۃ التفہیم

تقریر مذکور فارق بین الشرکین جو کہ ماخوذ ہے کلیات شرعیہ سے اپنے دونوں دعوؤں کے اعتبار سے ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرک اکبر نہیں زیادت اقناع میں محتاج تھی ادلہ جزئیہ کی جنسے ایک مدت تک باوجود فکر ذہن خالی رہا الحمد للہ کہ پرسوں اور کل میں علی التعاقب تین دلیلیں ذہن اور نظر میں گذریں جن کا مجموعہ دونوں دعوؤں میں تردد کے لئے نافی ہے

دلیل اول عقلی بر اصول ہیز اثنین جبانی جزئیت کے سبب کلیات سے زیادہ کافی ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ توحید الٰہی واجب عقلی ہے خواہ بدیہی ہو یا نظری یہ دوسری بحث ہے اور کسی حکم کا وجوب عقلی مستلزم ہوتا ہے اوسکی نقیض کے امتناع عقلی کو پس نقیض توحید کا حکم ممتنع ہوگا اور اس نقیض کی دو قسمیں ہیں ایک نفی آلہ کہ کفر ہے دوسری تشریک الہ آخر معہ کہ شرک ہے۔ اور ہر منقسم کا امتناع

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

موثر مستقل ہونے کا معتقد ہے تب تو یہ شرک کفری ہے جیسا کسی مخلوق کے لئے نماز و روزہ ایسی	انہ ان اعتقد استقلالہ بالتاثیر فھو شرک کفری اعتقاداً کما ان الصلوٰۃ

مستلزم ہوتا ہے اوس کے سب اقسام کے امتناع کو پس شرک کے لیے لازم ہوا کہ وہ کسی امر ممتنع کا اعتقاد ہوگا اور اس امتناع و استحالہ کیطرف نصوص بھی مشیر ہیں۔

کقولہ تعالیٰ۔ لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا وقولہ تعالیٰ لوکان معہ الھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الیٰ ذی العرش سبیلا وقولہ تعالیٰ ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذا لذھب کل الہ بما خلق ولعلیٰ بعضھم علیٰ بعض وقولہ تعالیٰ لو اراد اللہ ان یتخذ ولدا لاصطفیٰ مما یخلق ما یشاء سبحانہ۔ ونحوھا من الآیات علیٰ ما فسرت فی بیان القرآن۔

اور تصرف مقید بالاذن عقلاً ممتنع نہیں پس وہ شرک نہ ہوگا گو کسی تصرف منفی بالنص کا اعتقاد بوجہ مخالفت نص کے معصیت یا کفر یا بدعت ہو علیٰ اختلاف مراتب النص و مراتب المخالفۃ مگر شرک کسی حال میں نہ ہوگا اور جاہلان عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے پس لامحالہ وہ تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے۔ اس سے بحمد اللہ دونوں دعوے ثابت ہو گئے۔

دلیل ثانی نقلی من الاقوال المنقولۃ عن العلماء الربانیین جو بوجہ صراحت موافقت اکابر کے دلیل عقلی سے زیادہ شافی ہے۔ قال القاضی محمد اعلیٰ التھانوی فی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون الشرک علیٰ اربعۃ انحاء الیٰ ان قال منھم من یقول ان اللہ سبحانہ خلق ھذہ الکواکب وفوض تدبیر العالم السفلی الیھا وقال بعد ورقۃ ان القوم یعتقدون ان اللہ فوض تدبیر کل من الاقالیم الیٰ ملک معین وفوض تدبیر کل قسم من اقسام العالم الیٰ روح سماوی

بلفظہ (ص ۷۷۱ و ۷۷۳)

وقال ابن القیم فی اغاثۃ اللھفان ما حاصلہ انہ تعالیٰ قال ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون قل للہ الشفاعۃ جمیعاً لہ ملک السموٰت والارض اخبر ان الشفاعۃ لمن لہ ملک السموٰت والارض وھو اللہ وحدہ فھو الذی یشفع بنفسہ الیٰ نفسہ فیرحم عبدہ فیاذن ھو لمن یشاء ان یشفع فیہ فصارت

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۱۴۶

عبادت کرنا جو خاص ہے حق تعالے کے ساتھ عملاً و معاملۃً شرک کفری ہے نہ کہ سجدہ تحیت گو معصیت ہے یا استثنا اوس فعل کے جو شعار کفر ہو جیسے سجدہ صنم شد زنار ورنہ نہیں	والصوفم مما یختص باللہ تعالیٰ للمخلوق شرک کفری عملاً و معاملۃً لا سجدۃ التحیۃ وان کانت معصیۃ الا ما کان شعار للکفر کسجدۃ الصنم وشد الزنار

الشفاعۃ فی الحقیقۃ انما ھی لہ والذی یشفع عندہ انما یشفع باذنہ لہ وامرہ بعد شفاعتہ سبحانہ تعالیٰ وھی ارادتہ من نفسہ ان یرحم عبدہ

وھذا ضد الشفاعۃ الشرکیۃ التی اثبتہا ھؤلاء المشرکون ومن وافقھم وھی التی ابطلہا سبحانہ وتعالیٰ فی کتابہ بقولہ لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع فاخبر سبحانہ انہ لیس للعباد شفیع من دونہ بل اذا اراد اللہ تعالیٰ رحمۃ عبدہ اذن ھو لمن یشفع فیہ بشفاعۃ باذنہ ولیست بشفاعۃ من دونہ والفرق بین الشفیعین کالفرق بین الشریک والعبد المامور الی ان قال فالرب تعالیٰ ھو الذی یحرک الشفیع حتی یشفع والشفیع عند المخلوق ھو الذی یحرک المشفوع الیہ حتی یفعل (ص ۱۱۵ الی ۱۱۸)

ان اقوال سے دعوے اولے منطوقاً اور دعوے ثانیہ مفہوماً ثابت ہے۔

دلیل ثالث نقلی من آیات رب العلمین جو عالم السرائر والضمائر کی شہادت ہونے کے سبب حجیت میں سب سے زیادہ واثق ہے وھو قولہ تعالیٰ قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا، وقولہ تعالیٰ ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من اذن، وامثالھما من الآیات التی تفوت الحصر وجہ دلالت دعوے اولے پر یہ ہے کہ ان نصوص میں ملک تصرف کی نفی کی گئی ہے اور ملک من حیث الملک کا مقتضا بلکہ حقیقت تصرف غیر مقید بالاذن ہے اور سیاق سے مقصود مزعومات مشرکین کا ابطال ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایسے اختیارات و تصرفات کے قائل تھے جو کہ مقید بالاذن نہوں پس دعوے اولے ثابت ہوگیا۔ اور محل ذم کی قیود میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس سے دعویٰ ثانیہ پر بھی دلالت ہوگی والحمد للہ علی اتمام النعم والہام الحکم۔ سلخ ج ۲ سنہ ۱۳۴۵ھ ۱۲ منہ

۱۴۷

والا فلا ومعنى استقلاله ان الله قد فوض
اليه الامور بحيث لا يحتاج فى
امضائها الى مشيته الجزئية و
ان قدر على عزله عن هذا التفويض
والثانى طلب الدعاء
منه وهذا جائز فيمن
يمكن طلب الدعاء منه
ولم يثبت فى الميت بدليل
فيختص هذا المعنى بالحى
والثالث دعاء الله ببركة
هذا المخلوق المقبول وهذا
قد جوزه الجمهور ومنع منه
ابن تيمية واتباعه زعما
منهم انه لم يذكر
احد من العلماء انه يشرع
التوسل والاستسقاء
بالنبى والصالح
بعد موته ولا فى
مغيبه كما فى رسالته
زيارة القبور
والعجب منه

(صرف معصیت ہے) اور مستقل بالتاثیر ہونے
کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اوسکے
سپرد ایسے طور پر کردیے ہیں کہ وہ اون کے
نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا
محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے
کہ اوسکو اس تفویض (و اختیارات) سے
معزول کردے اور دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے
دعا کی درخواست کرنا اور یہ ایسے شخص کے
حق میں جائز ہے جس سے دعا کی درخواست
ممکن ہے اور یہ امکان میت میں کسی دلیل سے
ثابت نہیں پس یہ معنی (توسل کے) زندہ
کے ساتھ خاص ہوں گے۔ اور تیسری تفسیر یہ کہ
اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اوس مقبول مخلوق
کی برکت سے اور اسکو جمہور نے جائز کہا ہے
اور ابن تیمیہ نے اور اون کے اتباع نے
منع کیا ہے اس خیال سے کہ کسی نے علماء
میں سے اسکو ذکر نہیں کیا کہ توسل یا استسقاء
کسی نبی یا صالح کے وسیلہ سے اونکی وفات
یا غیر حاضری کی حالت میں مشروع ہے
جیسا کہ اون کے رسالہ زیارۃ القبور میں یہ
تقریر مذکور ہے اور اون سے تعجب ہے کہ خود

انہ نفسہ قد ذکر فی رسالتہ
المذکورۃ قول المجوزین
ودلیلہم بما لفظہ قالوا
ولیس فی التوسل دعاء
المخلوقین ولا استغاثۃ
بالمخلوق لکن
فیہ سوال بجاہہ
کما فی سنن ابن
ماجہ بحق
السائلین علیک و
بحق ممشای ہذا
واللہ تعالیٰ قد
جعل علیٰ نفسہ حقاً
الیٰ آخر ما قال
واطال وسرد الآیات
والاحادیث ولم یجب عن ہذہ
الدلائل لکن مع ہذا ثبت علی
المنع وحقیقۃ ہذا المعنی
الثالث اللہم ان العبد
الفلانی او العمل الفلانی لنا
او لفلان مقبول ومرضی

انہوں نے اپنے رسالہ مذکورہ میں مجوزین کا قول
اور اونکی دلیل بھی اس عبارت سے ذکر
کی ہے کہ وہ مجوز لوگ کہتے ہیں کہ توسل میں نہ
مخلوق سے دعا ہے اور نہ اون سے التجا ہے
لیکن اوسمیں صرف اوسکی جاہ (و مقبولیت)
کے ذریعہ سے (حق تعالےٰ سے) سوال ہے
جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں آیا ہے کہ میں
اُن لوگوں کے حق سے سوال کرتا ہوں
جو آپ سے سوال کرتے ہیں اور اپنے اس
چلنے کی حق سے سوال کرتا ہوں (جو محض
اخلاص کے ساتھہ واقع ہوا ہے) اور اللہ تعالےٰ
نے اپنی ذات پر (مقبولین کا) حق قرار دیا ہے
اپنے قول کے ختم تک اور دور تک کہتے
چلے گئے اور (اس حق کے اثبات کے لئے)
آیات و احادیث بیان کی ہیں (غرض مجوزین
کی دلائل خود ذکر کئے ہیں) اور ان دلائل کا
کچھ جواب نہیں دیا لیکن باوجود اس (جواب
نہ دینے کے) اس کے منع ہی پر جمے
رہے اور اس معنی ثالث کی حقیقت یہ ہے
کہ اے اللہ فلاں بندہ یا فلاں عمل ہمارا
یا فلاں بندہ کا عمل آپکے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے

۱۴۹

عندك ولنا تلبس وتعلق به اما مباشرة له فى العمل واما محبة له فى العبد او عمله وانت وعدت الرحمة بمن له هذا التلبس فنسئلك هذه الرحمة فيا ليت شعرى اى محذور فيه نقلا او عقلا ونعم لو منع عنه لمصلحة العوام لما خالفناه لكن الكلام فى تحقيق المسئلة فالحق فيه معنا ان شاء الله تعالى فاغتنم هذا التحرير الكاشف لحقيقة التوسل وحقيقة الشرك اللتين يتحير فيهما كثير من الفضلاء والعقلاء

۱۵

اور ہم کو اوس (بندہ یا عمل) سے تلبس اور تعلق ہے خواہ تو اوس عمل میں ارتکاب کا اور خواہ اوس بندہ یا اوس کے عمل میں اوس سے محبت رکہنے کا اور آپنے ایسے شخص پر رحمت فرمانے کا وعدہ کیا ہے جسکو یہ تلبس (و تعلق) ہو پس ہم اوس رحمت (موعودہ) کا آپ سے سوال کرتے ہیں (یہ حقیقت ہے اس توسل کی) پس کاش مجکو کوئی یہ تبلائے کہ اس (معنے) میں کونسی خرابی نقلی یا عقلی ہے البتہ اگر عوام کی (دینی) مصلحت کے لئے اس سے منع کیا جاوے تو ہم بہی ابن تیمیہ کی مخالفت نکرینگے۔ لیکن کلام مسئلہ کی تحقیق میں ہے سو اوسمیں حق ہمارے ساتہ [۱] ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس اس تحریر کو غنیمت سمجہو جس سے حقیقت توسل کی اور حقیقت شرک کی مکشوف ہو گئی جنمیں بہت فضلاء و عقلاء متحیر ہیں۔ تنبیہ۔ مسئلہ توسل کی ضروری تحقیق مع احادیث رسالہ نشر الطیب کی آٹہتیسویں فصل میں بہی قابل ملاحظہ ہے فقط

خاتمہ مصعب بن سعد کی حدیث جو بشکل رسالہ مستقلہ ہے ختم ہوئی +

[۱] اس تحریر کے بعد ایک تحقیق علامہ شوکانی کی جواز توسل کے باب میں نظر سے گذری چونکہ ابن تیمیہ کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱)

معتقدین شوکانی کو بھی حجت کہتے ہیں اسلئے اوسکو نقل کرنا نافع معلوم ہوا وہو ھذا
قاضی شوکانی کا بیان - رہی یہ بات کہ انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالے کے
دربار میں کسی شخص کو بطور وسیلہ پیش کرے تو اس میں شیخ عز الدین عبدالسلام فرماتے ہیں کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کو اللہ تعالے کے دربار میں بطور وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں
ہاں نبی کریم کو وسیلہ بنانا جائز ہوگا۔ لیکن بشرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو جو توسل بالنبی صلعم کے
اثبات میں پیش کیجاتی ہے۔ شاید حدیث توسل بالنبی صلعم سے شیخ عز الدین کی مراد وہ حدیث
ہو جو نسائی نے اپنے سنن اور ترمذی نے اپنے صحیح اور ابن ماجہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں
باسند نقل کی ہے کہ ایک اندھا دربار نبی صلعم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
میں اندھا ہوگیا ہوں میرے لئے خدا سے دعا کرو کہ میں بینا ہو جاؤں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ
وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر یہ دعا پڑھو اے اللہ میں تیرے نبی کی طفیل تجھ سے
درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں اپنی بینائی واپس کرانے میں
تجھے (خدا کے دربار میں) سفارشی پیش کرتا ہوں اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما۔ پھر نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ ازیں بعد بھی اگر تمھیں
کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی طرح مجھے وسیلہ بناؤ (اس شخص نے نبی کریم کو وسیلہ
بنایا اور آنکھوں کے لئے دعا کی) تو اللہ تعالی نے اس کو بینا کر دیا علماء حدیث مذکورہ بالا
حدیث کا مطلب دو طرح بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اس حدیث میں توسل کا مطلب وہی ہے
جو حضرت فاروق نے بیان کیا ہے کہ اے اللہ جب قحط پڑ جاتا تھا تو ہم تیرے نبی کو
تیرے دربار میں وسیلہ پیش کیا کرتے تھے پس تو ہم پر بارش کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی
کے چچا کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتے ہیں یہ حضرت عمر کی حدیث صحیح بخاری وغیرہ کتب
میں موجود ہے تو حضرت عمر رض کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم صلعم کی زندگی میں بارش کی دعا
کے وقت صحابہ کرام آپ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے پھر آنحضرت کی رحلت کے بعد
آپ کے چچا عباس رض کو وسیلہ بنایا جاتا تھا تو صحابہ کے توسل بالنبی کا یہ مطلب ہے کہ وہ
اللہ تعالے سے اس طرح طلب باران کیا کرتے تھے کہ نبی کریم دعا فرماتے اور صحابہ
بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے تو اس طرح آنحضرت صحابہ کے لیے خدا کے دربار میں وسیلہ
ہوتے کہ سفارشی بھی ہوتے اور ان کے لئے دعا بھی فرماتے اور دوسرا مطلب حدیث توسل

بالنبی کا یہ ہے (جو قاضی شوکانی کا مذہب ہے) کہ نبی کریم کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ سے توسل جائز تھا اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا۔ یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریمؐ آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے انتقال کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ جب حضرت فاروقؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے بھی اس کا خلاف نہیں کیا۔ میرے خیال میں جواز توسل کو نبی کریم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ عزالدین کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں اس عدم تخصیص کی دو دلیلیں ہیں پہلے تو وہی صحابہ کا اجماع جس سے ہم مطلع کر چکے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالے کے دربار میں ارباب فضل اور کمال کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا در اصل یہ مطلب ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے کے قابل ہی تب ہوتا ہے جبکہ وہ اعمال صالحہ کرے تو گویا جب کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ میں فلاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا وسیلہ بنانا بلحاظ کمال کے ہوگا۔ اور نیک عمل کو وسیلہ بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسا مسلم و بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ نبی کریم نے ان تین شخصوں کا قصہ بیان کیا جو غار میں تھے اور غار کے منہ پر پتھر آگیا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے بڑے عمل کو وسیلہ بنایا اور پتھر غار سے ہٹ گیا تو اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز ہوتا یا شرک ہوتا جس طرح عزالدین وغیرہ سخت گیر لوگ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان تین آدمیوں کی دعا قبول نہ کرتے اور نبی کریم صلعم ان کا قصہ بیان کرنے کے بعد ان کے فعل توسل کو ضرور ناجائز قرار دیتے (قاضی مرحوم توسل کو ثابت کر کے اب منکرین توسل کے دلائل کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے کہ جب یہ واضح ہو گیا کہ توسل جائز ہے تو) اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی) اور فلا تدعوا مع اللہ احدا اور له دعوة الحق والذین یدعون من دونه لا یستجیبون لھم بشئی) ہمارے دعوی جواز توسل بالنبی والصالحین کے لیے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کے لیے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزع اور امتناع

(الہادی فروری ۱۹۳۵ء) ۱۵۱ (الہادی نمبر ۲ صفحہ ۱۵۲)

توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں کیونکہ مشرکوں کے اس قول سے (کہ مانعبدھم الا الخ) صاف یہ واضح ہے کہ مشرک قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جو شخص کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھکر خدا کے دربار میں اس کی عزت ہے اس کو وسیلہ بناتا ہے۔ اسی طرح یہ آیت (فلا تدعوا مع اللہ الخ) جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں تو صرف یوں کہا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو اور یوں نہ کہو یا اللہ یا فلاں اور جو کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ تو صرف اللہ کو پکارتا ہے ہاں اللہ کے کسی نیک آدمی کو بوجہ کمال وسیلہ بناتا ہے جسطرح ان غار والے تین اشخاص نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا تھا اور اسی طرح آیۂ والذین یدعون من دونہ الخ جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ مشرک تو انکو بلاتے تھے جو ان کی سنتے نہیں تھے۔ اور خدا کو جو ان کی سنتا ہے اس کو نہیں بلاتے لیکن کسی بزرگ کو وسیلہ بنانیوالا تو صرف اللہ کو بلاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں بولاتا۔

ہمارے کلام سابق سے منکرین توسل کے تمام دلائل کی بھی قلعی کھل جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دلائل کو منع توسل سے دور کا بھی واسطہ نہیں مثلاً ان کا یہ استدلال کہ یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ الخ) جواز توسل کے منافی نہیں کیونکہ اس آیت میں صرف یہ بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کو سب اختیارات اللہ کو ہوں گے۔ اور کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہوگا لیکن جو شخص کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے اس کا تو کبھی یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ یہ بزرگ اختیارات اخروی میں خدا کا شریک ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ غیر اللہ کو امر آخرت میں کچھ اختیار ہے اس کو تو ہم بھی گمراہ سمجھتے ہیں لیکن متوسل کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی طرح منکرین توسل کا آیت لیس لک من الامر شئ و آیہ قل لا املک لنفسی نفعًا ولا ضرًا سے استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ ان آیتوں میں تو اس کی تصریح ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلعم کو امر اللہ میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اور یہ کہ نبی کریم جب اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں تو دوسرے کے نفع نقصان کے کس طرح مالک ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی نبی یا ولی یا عالم کے توسل کے عدم جواز میں ان آیتوں کو کیا دخل متوسل کا تو یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کو امر آخرت یا نفع نقصان میں کوئی اختیار ہے۔

توسل کا انکار نبی کریم کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلعم کو مقام محمود یعنی مقام شفاعت عظمےٰ کے

اعزاز سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مخلوق کو یہ ہدایت کی ہے کہ آپ کے لیئے اللہ تعالے سے اس شرف عظیم کی درخواست کیا کریں۔ اور اللہ تعالے نے نبی کریم کو فرمایا ہے کہ مقام محمود کی بہ نسبت دعا کیا کرو۔ آپ کو دیا جائے گا اور امت کے سفارش کرو۔ تمہاری سفارش مقبول ہوگی۔ ہاں شفاعت کا حق اللہ کی اجازت سے ہوگا۔ یہ خاص اس کو جس کو اللہ پسند فرمائیں اسی طرح منکرین توسل کا نبی کریم کے اس ارشاد کو کہ اے فلاں بن فلاں میں اللہ کی طرف سے تیرے لیئے کسی چیز کا مالک نہیں۔ پیش کرنا۔ جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ جب کسی کو اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے۔ تو میں اس کا خلاف نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے۔ لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ توسل ناجائز ہے۔ کیونکہ متوسل کا یہ عقیدہ تو نہیں ہوتا کہ وسیلہ امر اللہ میں دخیل ہے بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ اختیار کلی صرف اللہ کو ہے۔ اور میں اسی سے درخواست کرتا ہوں۔ ہاں کسی ایسے بزرگ کو جس کے طفیل دعا قبول ہو سفارشی بناتا ہوں اور وسیلہ پیش کرتا ہوں +

(ترجمہ در نضید مصنفہ قاضی شوکانی)

کتبہ اشرف علی تھانوی

اور میرے پاس عبدالعزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو راستہ نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اسلئے میں اسے مولوی اسمٰعیل صاحب کی طرف کو لے گیا جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انھوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھکر اسپر دم کر دیا اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبدالعزیز اچھا ہو گیا۔ اطبا غلط کہتے ہیں کہ یہ نہ بچے گا میں نے اسوقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے صبح ہوئی تو میاں عبدالعزیز بالکل تندرست تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۱۹) **قولہ** عبدالعزیز اچھا ہو گیا **اقول** اس سے خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے (**ش ت**)

(۱۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود بہلتی بیان فرماتے تھے مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ہوئی تھی مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید قصبہ پہلت میں منبر پر کھڑے ہو کر نکاح ثانی کی ترغیب دلا رہے تھے پہلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر پوچھنا اور یہ فرماکر وعظ بند کر دیا اور منبر پر سے اتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہو گئے اور دہلی پہونچکر بہن کے پاس پہونچے انکی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں آپ نے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا کہ بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا انھوں نے کہا کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا تم نکاح کر لو انھوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں جانتے وہ یہ ہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اسپر وہ رضامند ہو گئیں اور انکا نکاح مولوی عبدالحی صاحب سے کر دیا گیا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونے کے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو ان سے صحبت

۲۲۹

کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اسوقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۰) قولہ کبھی اتفاق نہیں ہوا **اقول** خالص دین یہ ہے جوان زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظ نفسانی کے محض احیار سنت کیلئے نکاح کیا (**شت**)

(۱۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تم پر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہوا نھوں نے کہا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑوا دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دیکر ان کا نکاح کروا دیا اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۲۱) قولہ اس سے تم سمجھ لو الخ **اقول** اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گاہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ (**شت**)

(۱۲۲) خانصاحب نے فرمایا اسی جگہ ذرا سی بات اور لکھوا تا ہوں مفصل قصہ کسی دوسری جگہ لکھواؤنگا (وہ مفصل ۱۲۶ میں مذکور ہے) شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرایا اسکے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آ گئی اور روزہ رکھنا بھی آ گیا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۲) قولہ نماز پڑھنا بھی آ گئی **اقول** احقر یہ سمجھا ہے کہ عبادت کے کمال کی جو حقیقت ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ اسمیں سید صاحب کی صحبت سے قوت بڑھ گئی سید صاحب کی یہ نسبت خاص زیادہ قوی ہو گی گو دوسرے احوال باطنیہ پہلے سے ممکن ہے کہ ان میں سید صاحب سے بھی زیادہ قوی ہوں چنانچہ احقر نے ثقات سے سُنا ہے کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف ہو کر کیفیات و نسبت کا مبادلہ کرتے تھے چنانچہ ۱۲۵ میں آتا بھی ہے (**شت**)

(۱۲۳) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتداء میں نہایت آزاد تھے کوئی میلہ خواہ ہندؤوں کا ہو یا مسلمانون کا ایسا نہ ہوتا تھا جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنکوا بھی اڑاتے تھے شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑ رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل۔ یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے حضور۔ اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۳) قولہ چھوڑ کر چلے آتے **اقول** یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا (**شت**)

(۱۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندؤوں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ گئے جب یہ دونوں میلے میں پہونچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لئے پڑھا تھا۔ کیا سواد کفار بڑھانے کے لئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسوقت کہاں ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا۔ کفار کے میلہ کی رونق بڑھائے کس قدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا ایک خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا

۱۳۱

کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں واقعی میری غلطی ہے اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۴) قولہ سید صاحب آپ نہایت بجا **اقول** شاگرد کی نصیحت کو پھر تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے (**تتمت**)

(۱۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی سے سُنا ہے۔ کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لائے تو یونی کی مسجد کی طرف کو نکلے اس زمانہ میں شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد میں رہتے تھے جب آپ مسجد کے نیچے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ہاں حضور ایک بزرگ رہتے ہیں سید صاحب یہ سنکر مسجد میں تشریف لے گئے اور حجرہ میں جاکر کواڑ لگا لئے۔ جب باہر نکلے تو سید صاحب ہنستے ہوئے نکلے اور شاہ عبد الرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے اسی قسم کے دو جلسے یا تین اور ہوئے کہ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ عبد الرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے۔ چوتھے یا پانچویں جلسہ میں سید صاحب اپنی حالت پر نکلے اور شاہ صاحب روتے ہوئے اسکے بعد شاہ عبد الرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہوئے یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ اول کے جلسوں میں جو سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت شاہ صاحب پر غالب تھی اور شاہ صاحب کی نسبت سید صاحب پر اور آخر مرتبہ جو سید صاحب اپنی حالت پر اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت کو غلبہ ہو گیا تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۵) قولہ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے **اقول**

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست ✽ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں ست (**تتمت**)

(باقی آیندہ)

یہانتک کہ جب رات بہت آگئی اور پہروں کی آواز موقوف ہو گئی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر سو رہے تو دونوں ان کو لیچلیں۔ حضرت ابوبکر ان دونوں پر ٹیک لگائے ہوئے چل رہے تھے یہانتک کہ دونوں نے ان کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا دیا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پہونچتے ہی حضرت ابوبکر آپ پر جھک پڑے اور آپکی جبین مبارک کا بوسہ لیا اور تمام مسلمان ابوبکر صدیقؓ پر جھک پڑے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو انکی حالت دیکھکر بہت سخت رقت طاری ہوئی حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں اس خبیث نے جو میرے منہ پر مارا تھا اب اسکا کچھ بھی اثر مجھے نہیں معلوم ہوتا (کشف الغطاء)

غرضکہ جن مصائب وتکالیف میں کوئی صحابی کفار کے خوف و دہشت کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کام نہ آتا وہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی اپنی جان پر کھیلتے اور آپ کو کفار کے نرغہ میں گرفتار پاکر ان سے چھڑاتے اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صدیق اکبرؓ کی شجاعت کے قائل تھے اور فرمایا کرتے کہ حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) نے ایسی ایسی مصیبتوں میں سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شجاعت کی کہ وہاں کسی کا حوصلہ نہ تھا (مدارج النبوۃ)

انشاء اللہ تعالےٰ اسکی مفصل بحث آپکی شجاعت کے عنوان میں حوالہ قلم کیجائیگی۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے ایسے عبرت خیز حوادثات ملتے ہیں جنکو پڑھکر یا سنکر کلیجہ تھامنا پڑتا ہے۔ اور اچانک زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے ✣ نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

بت پرست اہل مکہ جن لوگوں کو اسلام لائے ہوئے دیکھتے تو انکو نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچاتے، سخت سزائیں دیتے۔ جلتی بالو پر لٹاتے۔ پتھر کی سل سینہ پر رکھدیتے تاکہ جنبش نہ کرنے پائیں اور ہر طرح کی بھوک پیاس کی تکلیف دیکر صاف کہہ دیا کرتے تھے "یا تو اسلام کو ترک کر دو یا ملک عدم کی راہ لو" ان مصیبتوں کی اگرچہ تمام بیکس مسلمانوں پر بارش عام ہو رہی تھی لیکن ان میں سے جن لوگوں کو قریش کی سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنا پڑیں ان کے نام یہ ہیں۔ سیدنا خبابؓ بن الارت، بلالؓ، عمارؓ، سمیہ، یاسر، صہیب، ابو فکیہہ، لبینۃ، زنیرہ،

ام عبیس رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ فضائل کی یہ پہلی کڑی ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی۔ بلال، عامر بن فہیرہ۔ لبینہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس رضی اللہ عنہم کو گراں گراں قیمتوں پر خرید کر آزاد کیا ہم ان حضرات کے مختصر حالات لکھکر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ مذہب مقدس کن کن مصائب سے دنیا میں پھیلا و نیز مخالفین اسلام پر یہ حجت بھی قائم ہو جائے کہ اسلام دنیا میں بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اپنی صداقت و حقانیت سے عالمگیر ہوا ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بن رباح

یہ وہی حضرت بلال ہیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے موذن و خزانچی تھے حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے دیانت اور امانت کی وجہ سے اس نے بتخانہ و خزانے دونوں کی خدمت آپکے سپرد کر دی تھی۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مذہب اسلام کے سچے اور من مانتے اصول سُنے تو فوراً صدق دل سے ایمان لے آئے شدہ شدہ انکے اسلام لانے کی خبر امیہ کو بھی پہنچگئی یہ خبر سُنکر وہ سخت رنجیدہ اور برہم ہوا دونوں خدمتیں ان سے سلب کرکے دوسرے کے سپرد کر دیں اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر ہر پہلو سے سمجھانا شروع کیا اور سمجھانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا مگر بقول شخصے ع "یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے" انھوں نے دائرہ اسلام سے ہٹنے میں ایک انچ قدم نہ اُٹھایا اور منہ سے "اللہ احد" کی آواز نکلی جب سمجھانے بجھانے سے کچھ کام نہ چلا تو اس کافر ملعون نے ان کو تکلیف دینے اور ایذا پہنچانے پر کمر باندھی حتی کہ صبح ہی کپڑے اتروا کر جسم عریان میں ببول کے کانٹے چبھواتا اور جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی اور عرب کی تیز دھوپ ریتلی زمین کو اسوقت جلتا توا بنا دیتی تو امیہ ان کو اس جلتے توے پر لٹاتا اور پتھر کی جلتی ہوئی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں اور چاروں طرف آگ روشن کرا دیتا جب رات آتی تو پاؤں میں بیڑی ہاتھوں میں ہتکڑی گلے میں طوق ڈالکر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیتا اور غلاموں کو حکم دیدیتا کہ باری باری اسکی کمر پر کوڑے مارو کہ صبح تک کوڑوں کی آواز برابر چلی آوے

پھر ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ۔ ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ لیکن۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی ✤ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اسوقت بھی ان کی زبان سے بجز اُحد احد کے دوسرا کلمہ نہ نکلتا۔ ایک مرتبہ انھیں ایسی تکلیف دی جارہی تھی کہ ورقہ بن نوفل کا گزر ہوا وہ یہ حالت دیکھکر تھرا اٹھے ذرا دیر کھڑے ہو کر انکی احد احد کی چیخ پکار سنی تو انھوں نے کہا کہ اے بلال احد احد کہے جاؤ خدا کی قسم اگر اس حالت میں مر جاؤ گے تو ہم تمہاری قبر کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ رحمت بنائینگے جب اس طرح بھی دین برحق سے حضرت بلالؓ کے قدم متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندہی اور لڑکوں کے حوالہ کیا وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی احد احد کا سبق نوک زبان تھا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم امیہ کے مکان کی طرف ہو کر گذرے حضرت بلالؓ کی آواز سنی کہ بلبلا کر "اللہ احد اللہ احد" پکار رہے ہیں فرمایا۔

۳۱ ینجیک احد احد | نجات دیگا تجھ کو وہی ایک اللہ وہی ایک اللہ (تفسیر کبیر و روح البیان)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر لگی کہ بلالؓ کو محض اسلام لانے کی وجہ سے انگاروں کے بستر پر سونا پڑا ہے تو امیہ کے پاس آئے اسلام کے محاسن بیان کرنے کے بعد بلالؓ کے متعلق سلسلہ گفتگو شروع کیا اور کہا کہ اگر تم اسکو مجھے دینا پسند کرو تو میرے غلاموں میں سے جس غلام کو پسند کرو اسکے عوض میں لیلو۔ امیہ کی دلی خواہش اور قلبی تمنا تھی کہ بلال (رضی اللہ عنہ) علیحدہ ہو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی عقیل و فہیم غلام ہاتھ لگے اس لئے اس نے اس بات کو بخوشی منظور کر لیا حضرت صدیق اکبرؓ نے نسطاس رومی غلام کو معہ چالیس اوقیہ نقدی کے امیہ کے حوالہ کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں لاکر لوجہ اللہ آزاد کر دیا بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلالؓ کو اس حال میں خریدا کہ وہ پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے اور ان کو تکلیف دی جارہی تھی (اسد الغابہ) چنانچہ تفسیر حسینی میں یہی منقول ہے۔

آوردہ اند کہ امیہ بن خلف بلال را رضہ
کہ بندۂ او بود بانواع آزار با عذاب میکرد
تا از دین برگردد و ہر زمان آتش محبت
ربانی در باطن او افروختہ تر بود بیت
انجا کہ منتہای کمال ارادتست ＊ ہرچند
جور بیش محبت زیادتست ＊ روزے
صدیق رضہ دید کہ امیہ او را بر خاک گرم افگندہ
بود و سنگہائے تفیدہ بر سینہ وے نہادہ
و او دریں حال احد احد میگفت ابوبکر
صدیق رضہ دل بر و بسوخت گفت لے
امیہ وائے بر تو این دوست خدائے
را چند عذاب میکنی بگفت یا ابابکر اگر
دلت بر و میسوزد و را از من بخر گفت
عوض میکنم او را بہ نسطاس رومی داد
غلامے بود از آن صدیق رضہ و دہ ہزار
دینار از روئے قیمت استعداد داشت
و صدیق رضہ او را گفتہ بود کہ اگر ایمان آری
آن مال کہ تو داری و دران تجارت
میکنی بتو بخشم نسطاس مسلمان نمیشد
و دل صدیق رضہ از و ملول بود چون این
کلمہ از امیہ شنید غنیمت شمردہ نسطاس
را با تمام استعداد او بداد و بلال رضہ
را بستید و فی الحال بامید ثواب اخروی آزاد کرد

لوگوں نے نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف بلال رضہ کو جو
اسکے غلام تھے طرح طرح کی تکلیفوں کے ساتھ عذاب
کرتا تھا تاکہ دین (برحق) سے پھر جائیں (پھرنا تو برطرف)
بلکہ محبت الٰہی کی آگ ہر گھڑی انکے باطن میں زیادہ
افروختہ ہوتی تھی (شعر) انجا کہ منتہائے کمال ارادتست ＊
ہرچند جور بیش محبت زیادتست ＊ ایک دن صدیق رضہ
نے دیکھا کہ امیہ نے آپ کو گرم زمین پر لٹا کر
آپ کے سینہ پر جلتے ہوئے پتھر رکھے ۔
اور آپ اس حالت میں احد احد کہہ رہے
ہیں ابوبکر صدیق رضہ کا دل (یہ حالت دیکھکر) انپر
بہت کڑھا اور فرمایا اے امیہ تیری حالت پر
افسوس کہ اس خدا کے دوست کو اتنی تکلیف
دیتا ہے اس نے جواب دیا اے ابوبکر! اگر
آپکا دل اسپر کڑھتا ہے تو اسکو مجھ سے خرید لیجئے
آپ نے کہا کہ میں نسطاس رومی کو اسکا عوض
کرتا ہوں اور یہ صدیق کا ایک غلام تہا دس ہزار
اشرفیاں از روئے قیمت کے کمائی رکھتا تہا صدیق رضہ نے
اس سے کہا تہا کہ اگر تو ایمان لے آئے تو وہ مال جو تو رکھتا ہے
اور جس میں تجارت کرتا ہے تجھے کو بخش دوں نسطاس مسلمان
نہیں ہوتا تہا اور صدیق کا دل اس سے رنجیدہ
تہا آپ نے جب امیہ سے یہ کلمہ سنا تو غنیمت سمجھا
نسطاس کو مع اسکی تمام کمائی کے امیہ کو دیا ۔ اور
بلال کو لیکر ثواب اخروی کی امید پر فوراً آپنے آزاد کردیا

(باقی آئندہ)

فیوض الاسلام ترجمہ جدید فتوح الشام

از مولانا حکیم شبیر احمد صاحب انصاری دام ظلہم

شایقین تاریخ اسلامی کو ہم یہ مژدہ جانفزا سناتے ہیں کہ جناب مولٰنا شبیر احمد صاحب انصاری نے فتوح الشام کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے قدیم ترجمہ میں جو پیچیدگی اور اُلجھن ہے وہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ اردو زبان روز بروز صاف و شستہ ہوتی جاتی ہے اسلئے اس دقیانوسی ترجمہ نے اہم تاریخی واقعات واسلامی فتوحات کی واقفیت کا دروازہ بند کردیا تھا اور شایقین زمانہ حال کے موافق ایک عمدہ اور بامحاورہ ترجمہ کے منتظر رہتے تھے الحمدللہ کہ اس انتظار کی مدت اب ختم ہونیوالی ہے اور فیوض الاسلام ترجمہ جدید فتوح الشام ماہ جمادی الاولیٰ میں نہایت آب و تاب سے شایع ہوکر نور افزاے دیدہ و دل مشتاقاں ہوگا۔

اس ترجمہ سے آپکو غازیان اسلام و مجاہدین ملت کی اولوالعزمی و جان نثاری کے جرات آموز حالات معلوم ہو نگے اور مشہور و نامور سپہ سالاران اسلام حضرت ابوعبیدہ بن جراح و حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی مدبرانہ شجاعت و حکیمانہ سیاست کے حیرت انگیز کارنامے مخلصانہ جوش پیدا کر کے اسلام کی سرفروشانہ خدمات کیلئے آپکو مستعد کرینگے

یہ ترجمہ اسلام کے عروج و نزول کے صحیح اسباب بتاکر اُن تمام ملمع کاریوں کی حقیقت بھی واضح کریگا جن سے مسلمان ہوکا کھاکر منزلِ مقصود سے کوسوں دُور ہوتے جاتے ہیں اور باوجود ہزار شور و فریاد مخالفین کے نزدیک انکا اقتدار کم ہوتا جاتا ہی

پس اے شیفتگان حریت اسلامی اور اے دلدادگان شوکت ملی۔ فتوح الشام کے جدید ترجمہ سے عروج اسلامی کا سچا و صحیح نقشہ دیکھکر اپنی تباہی و بربادی کے اسباب معلوم کرو اور اپنی بزدلی و بے غیرتی پر آنسو بہاکر غیور و اولوالعزم شجاعان اسلام کے کارناموں کو اپنا رہنما بناؤ

فیوض الاسلام کی ضخامت ساڑھے سات سو صفحات تقطیع $\frac{20}{26}$ قیمت تین روپے چار آنہ علاوہ محصولڈاک۔ لیکن جو حضرات تیاری سے پہلے اپنا نام درج کرینگے انکو علاوہ محصولڈاک دو روپے چار آنہ کو دیجاویگی۔ مگر نام درج کراتے میں آٹھ آنے پیشگی روانہ کرنے ہونگے ہاں مندرجہ ذیل مقامات سے پیشگی کی ضرورت نہیں صرف نام لکھانا کافی ہے اور وہ محض اسلئے کہ ان مقامات میں ہمیں ہر ایک کتاب پر جُدا جُدا محصولڈاک خرچ کرنیکی ضرورت نہ ہوگی بلکہ اپنے تعلقات کی جگہ فرمایشوں کی تعداد کے موافق کتاب فیوض الاسلام روانہ کردینگے۔ جہاں سے خریدار کو ملجاویگی۔

وہ مقامات جہاں کے باشندگان کو پیشگی کچھ دینا نہ ہوگا

تھانہ بھون + دہلی + دیوبند + سہارنپور + جالندہر + آگرہ + اورنگ آباد دکن

ریواڑی + امرتسر + جودھپور + بنڈو + بریلی

المشتہر

محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلان دہلی

مطبوعہ بند عثمان آرٹ پرنٹنگ پریس دہلی

۷۸۶

رسالہ الہادی کی عدم رسی کی شکایت

اور احقر مدیر کا تفصیلی جواب

پورے تین سال سے رسالہ الہادی جاری ہے اور بفضلہ تعالےٰ دفتر سے نہایت اہتمام کے ساتھ تاریخ معینہ پر روانہ کردیا جاتا ہے اسپر بھی بعض حضرات کو رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ہے اور وہ اپنے عنایت ناموں میں احقر مدیر کو نشانہ طعن و تشنیع بناتے ہیں. گویا انکے نزدیک رسالہ کے نہ پہونچنے کا سبب صرف دفتر کی بدنظمی ہی ہوسکتی ہے اور کچھ نہیں۔

حضرات

آپ یقین فرمائیے کہ علاوہ دفتر کی بدنظمی کے اور بھی خاص اسباب ہیں جو رسالہ کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں کیا آپ اس سے بیخبر ہیں کہ پوسٹ مینوں کی بے پروائی بھی مکتوب الیہ کی پریشانی اور دفتر کی بدنامی کا باعث ہوتی ہے کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ بعض چالاک لوگ بالا ہی بالا پرچہ وصول کرکے اصل خریدار تک نہیں پہنچنے دیتے. کیا آپ کو اسکا تجربہ نہیں کہ بعض دفعہ پتہ میں مغالطہ ہونے سے ایک کا پرچہ دوسرے کو ملجاتا ہے اگر واقعی آپ ان اسباب سے بھی آگاہ ہیں تو سخت حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ آپ اس بدنظمی کا سارا الزام دفتر الہادی کے سر رکھتے ہیں اور خطوط میں ایسے الفاظ سے یاد فرماتے ہیں جنکا احقر عنداللہ مستحق نہیں ہے

دفتر کی طرف سے یہ اعلان کبھی بار بار شائع ہوا اور اب بھی اسکا اعادہ کرتا ہوں کہ رسالہ کی تاریخ معینہ سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع آنے پر دوبارہ رسالہ ارسال کردیا جاتا ہے امید کہ ہمارے کرم فرما اظہار غضب میں عجلت نہ فرماکر حسب قاعدہ دفتر کو عدم رسی کی اطلاع صاف اور سادے الفاظ میں فرمایا کرینگے فقط ؞